رسالۂ اسٹرائک

افاضات

مسیح الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خاں صاحب شروانی مدظلہم

از اکابر خلفاء

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ فیض اشرف جلال آباد ضلع مظفر نگر

(یو، پی۔ انڈیا) قیمت ۶/ روپے

نام کتاب ——— رسالہ اسٹرائک
افاضات ——— مسیح الامۃ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ
طبع اوّل ——— جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء
تعداد اشاعت ——— ایک ہزار
ضخامت ——— ۱۶۸ صفحات
قیمت ———
ناشر ——— سیّد عبد الرحیم مالک مکتبہ فیض اشرف
جلال آباد ضلع مظفر نگر
کتابت ——— فضل الرحمٰن قاسمی دربھنگوی
مطبوعہ ——— شروانی آفسٹ پریس دہلی

ملنے کا پتہ

مکتبہ فیض اشرف جلال آباد ضلع مظفر نگر (یو، پی - انڈیا)

سول ایجنٹ :- مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یو، پی)

فہرست مضامین رسالہ اسٹرائک

عرضِ ناشر

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ملفوظات اسٹرائک کے پیش لفظ میں جس "رسالہ اسٹرائک" کا ذکر کیا گیا تھا اس نے محض اپنے فضل سے اس کی اشاعت کی توفیق ارزاں رکھی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

پیش نظر رسالہ علم کے مجموعہ موانع اسٹرائک کی حقیقت شرعیہ اور اس کی قباحت، نیز اہل اسٹرائک کے دلائل کے جوابات پر مشتمل ہے، جس سے ایک منصف مزاج طالبعلم کو رسالہ پڑھ کر اسٹرائک سے طبعًا وعقلًا وشرعًا نفرت ہونا لازمی امر ہے، جیساکہ رسالہ پڑھنے کے بعد یہ امر نقد حال ہوگا

اصل رسالہ کے شروع میں بطور مقدمہ ایک رسالہ جو علم کی تعریف، اس کی تحصیل کے شرائط، طلب صادق، اخلاص، نفاق سے احتراز، تقویٰ، اساتذہ کرام واہل انتظام کے حقوق وآداب وغیرہ پر مشتمل ہے وہ بھی لاحق کردیا گیا ہے تاکہ حقوقِ علم واضح ہوکر اسٹرائک کا منّاع للعلم ہونا

اچھی طرح معلوم ہو جائے اور پھر اس اسٹرائک سے کلی اجتناب رکھا جائے، خدا کرے کہ اس رسالہ کو عموماً جملہ مسلمانوں کے لئے اور خصوصاً طلبہ علم دین کے لئے نافع بنائے اور اپنی دنیا و آخرت دونوں کو سنبھالنے کی فکر ہو۔

نیز تتمہ اور خاتمہ کے طور پر آخر میں حضرت مرشدنا مسیح الامۃ الشاہ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم کے خلفاء کے نام درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ جو حضرات استفادہ علمی کے ساتھ تعلق مع اللہ کی دولت سے مستفیض ہونا چاہیں وہ ان خلفائے کرام سے اپنا تعلق قائم کرلیں۔

اس کا ایک محرک یہ امر بھی ہے کہ پیش نظر رسالہ کے باب العلم میں ایک عنوان "اصلاحی تعلق" کا بھی ہے، تو رسالہ کو پڑھ کر اہل طلب صاحبان میں اگر طلب پیدا ہو تو ان حضرات میں سے جن سے مناسبت ہو رجوع فرماسکیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ اصلاحی تعلق میں انہی حضرات کی طرف رجوع ضروری ہو، بلکہ جو شخص متبع سنت ہو، اور کسی متبع سنت بزرگ سے مجاز ہو، ان سے مناسبت کیساتھ رجوع کافی ہے جیسا کہ حضرت مرشدنا دامت برکاتہم نے

"شریعت وتصوف" میں اس کو اچھی طرح واضح کردیا ہے۔

جو اسمار گرامی آخر میں درج کئے جارہے ہیں وہ ہیں جو حضرت مرشدنا دامت برکاتہم نے احقر کے دریافت کرنے پر اپنی یادداشت سے تحریر فرمائے ہیں، اگر کوئی صاحب حضرت مرشدنا دامت برکاتہم سے مجاز بیعت یا صحبت ہوں اور ان کا نام فہرست میں نہ آیا ہو، وہ احقر کو مطلع کردیں تاکہ آئندہ جب مستقل فہرستِ خلفار شائع کی جائے تو ان کا نام درج فہرست کردیا جائے۔ فقط والسلام

سیّد عبدالرحیم عفی لہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضیلت علم دین

علم دین کے فضائل اوراس کی خوبیاں بے شمار ہیں، یہاں ان کا احاطہ کرنا اور تفصیلی بیان مقصود نہیں، اس لئے کہ مستقل رسائل اور کتابیں موجود ہیں، تاہم ما لا یدرك كله لا یترك كله کے اصول کے پیش نظر اجمالی طور سے عرض ہے کہ علم دین ایسی چیز ہے کہ کائنات کا ظاہری و باطنی سارا نظام اسی علم سے وابستہ ہے دین دنیا کا کوئی کام علم دین کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔

شیخ سعدیؒ بڑے محقق اور نہایت لائق و فائق اور تجربہ کار و شناسائے حقائق ہیں، فرماتے ہیں۔ ؎

ترا علم در دین و دنیا تمام ÷ کہ کار تو از علم گیرد نظام

واقعی خوب فرمایا، چنانچہ حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ علم دین ایسی چیز ہے کہ بگڑے ہوؤں کو بنانے والا ہے اور مُردوں میں جان

ڈالنے والا ہے، دیکھ لیجئے ناقابل لوگوں میں سے بھی جن لوگوں پر علم کا پورا اثر ہو جاتا ہے وہ کس درجہ شائستہ اور تہذیب یافتہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت والاؒ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ کمال تہذیب اور اعلیٰ شائستگی اور حقیقی انسانیت حاصل ہونے کا طریقہ، علم دین کا حصول ہے اور یہی نہیں بلکہ یہ چیزیں حصول علم دین ہی میں منحصر ہیں، علم دین ہی سے یہ خوبیاں حاصل ہوسکتی ہیں، سوائے علم دین کے کوئی طریق وتدبیر نہیں جس سے یہ کمال اور صحیح انسانیت حاصل ہوسکے، اور یہ بات یوں ہی سرسری اور میری ادعائی نہ سمجھئے بلکہ حضرت والاؒ نے ایک دفعہ نہایت شرح صدر کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا کہ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ بدون علم دین کے فضائل اخلاق وسیر چشمی وبلند نظری، عالی دماغی، تہذیب، اعتدال افعال و انتظام اقوال میسر ہونا ممکن نہیں۔

دیکھا آپ حضرات نے کہ کیا عجیب الفاظ فرمائے، غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت والا نے تمام انسانی کمالات اور اعلیٰ صفات کو بیان فرما دیا اور دریا کو کوزہ میں بند کر دیا، غرض علم دین کے ذریعہ کم درجہ کے لوگ بھی شائستہ اور اعلیٰ تہذیب یافتہ ہو جاتے

ہیں، خواہ علم دین کسی بھی طرح حاصل ہو، اور اگر عربی پڑھنے کے ذریعہ علم دین حاصل کیا جائے پھر تو کیا ہی کہنا اور چار چاند لگ جاتے ہیں

چنانچہ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ (علم دین حاصل ہو کسی بھی صورت سے ہو، اس کا یہی اثر ہے جو مذکور ہوا) بالخصوص عربی پڑھنے سے جو بلند حوصلگی اور حاضر جوابی آتی ہے وہ بیمثال ہے، دیکھ لیجئے کہ شریف لوگ جب عربی پڑھ لیتے ہیں تو ان کی برابر کوئی عالی حوصلہ نہیں ہو سکتا وہ سلاطین کو بھی نگاہ میں نہیں لاویں گے۔ چنانچہ ایک شریف بچہ عربی پڑھتا تھا، اس سے ایک افسر پولیس نے جو کہ ہتھیار لگائے ہوئے تھا اور اس کی ہیئت ایسی مہیب تھی کہ اس کے سامنے ایسا ویسا آدمی بات بھی نہ کر سکے، اس نے اس بچہ سے یہ سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ عربی پڑھنے والے سب سر منڈاتے ہیں، بچہ نے بے دھڑک جواب دیا کہ یہ کیا بات ہے کہ انگریزی پڑھنے والے سب داڑھی منڈاتے ہیں، بس وہ چپ ہی تو رہ گئے۔

اسی طرح ایک بوسیدہ حال طالب علم سے سلطان عالمگیرؒ نے سوال کیا کہ اس حوض میں کتنے کٹورے پانی ہے؟ طالب علم نے جواب دیا کہ آپ کا سوال ناقص ہے، فرمایا کہ وہ کس طرح؟ طالب علم نے کہا کہ جب تک کٹورے کی تعیین نہ ہو کہ وہ کتنا بڑا

ہے، اس وقت تک جواب کیسے ہو سکتا ہے، اس لئے آپ کا سوال لائق جواب نہیں، خیر پھر بھی تبرعاً جواب دیتا ہوں کہ اگر وہ کٹورا اتنا ہی بڑا ہے جتنا کہ حوض تب تو ایک کٹورا پانی ہے، اور اگر وہ کٹورا اس حوض سے آدھا ہے تو حوض میں دو کٹورے پانی ہے اور اگر اس حوض سے وہ کٹورا چوتھائی ہے تو حوض میں چار کٹورے پانی ہے وھلم جرا۔

غرض جو نسبت کٹورے کو حوض سے ہوگی، اسی کے اعتبار سے کٹوروں کی تعداد پانی ہوگا، حضرت عالمگیرؒ خاموش رہ گئے، بات یہ ہے کہ علم سے فطری حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔

مدارس عربیہ اس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ عربی مدارس عجیب اور نرالی شان رکھتے ہیں، یہاں کی تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ ان مدارس کے فیض یافتہ کی وہ شان تھی کہ دنیا بھر کے تعلیمی اداروں کے تعلیم یافتہ یہاں کے فارغین کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ان مدارس کی تعلیم و تربیت سے ایسے ایسے علماء محققین بن کر نکلے جن کی نظیر دنیا کے ادارے پیش کرنے سے قاصر اور عاجز تھے، یہ حضرات زمانہ

کے امام تھے زمانہ کی ناک تھے، ان کے ذریعہ علم اور اہل علم کی ساک قائم تھی، یہ حضرات علم ظاہر و علم باطن کے جامع تھے۔

اب بھی یہ بات محال و ناممکن نہیں، ان مدارس سے اب بھی (باختیار اسباب صحیحہ) ایسے افراد تیار ہو سکتے ہیں، چنانچہ حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ آجکل غزالی اور رازی نہیں پیدا ہو سکتے، میں بقسم کہتا ہوں کہ اب بھی (غزالی و رازی بلکہ) ان سے بڑھ کر پیدا ہو سکتے ہیں۔ غزالی اور رازی پر علم ختم نہیں ہو گیا کیونکہ قیامت سے پہلے علم کسی زمانہ میں ختم نہ ہوگا، نبوت کا ختم ہونا تو ثابت ہے، لیکن ولایت اور علم کا ختم ہونا کہیں ثابت نہیں۔

واقعی ٹھیک فرمایا، حضرت والاؒ ہی کا ایک واقعہ اس کی زندہ جاوید مثال ہے، چنانچہ اکیس سالہ عمر کا کانپور میں پیش آمدہ واقعہ بیان فرمایا، ابھی آپ (یعنی حضرت تھانویؒ) ایک سال یا کچھ زائد پہلے ہی مدرسہ عربی دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تھے، وہ واقعہ یہ ہے کہ عدالت میں مسلمانوں کے ایک معاملہ کو شریعت کے مطابق طے کرانے جانا پڑا تھا۔

حاکم نے سوال کیا آپ عالم ہیں؟ حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ میں نے دل میں کہا کہ یہ اچھا سوال ہوا، اب اگر کہتا ہوں نہیں

تو یہ ایشیائی مذاق کو کیا جانے، کہے گا کہ سمن کی تعمیل غلط ہوئی، کیونکہ سمن پر عالم لکھا ہے اور اس کی نظر میں اپنی ایک قسم کی تحقیر اور اہانت بھی ہوگی، کہے گا پھر آنے کی آپ نے تکلیف ہی کیوں گوارا فرمائی، جبکہ آپ عالم نہیں اس لئے کہ مسئلہ متعلق ہے اہل علم کے، اور اگر کہتا ہوں کہ عالم ہوں تو یہ اپنے مسلک اور مذاق کے خلاف ہے (اس لئے) میں نے جواب میں کہا کہ مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں یہ لکھ لیا گیا۔

دوسرا سوال اس سے بڑھ کر ہوا، کہ کیا سب مسلمان آپ کو مانتے ہیں؟

اب اگر کہتا ہوں کہ نہیں تو ایک کافر کے سامنے اپنی سبکی اور اہانت (ہوتی ہے) اس کو بھی جی گوارا نہ کرتا تھا، دوسرے یہ خیال ہوا کہ مقدمہ پر اس کا بُرا اثر پڑے گا، کسی نہ کسی کے مخالف ہوں گا تو اس کو اس کہنے کی گنجائش ہوگی کہ وہ تو خود ہی کہتے ہیں کہ مجھ کو سب مسلمان نہیں مانتے، لہٰذا ہم بھی نہیں مانتے۔

اور اگر کہتا ہوں کہ سب مسلمان مانتے ہیں تو کانپور میں آئے دن ہندو مسلمانوں میں جھگڑے فساد ہوتے رہتے ہیں، میرے اس اقرار کی بناء پر ایسے موقعہ پر کہا جاوے گا کہ مسلمانوں کا انتظام کرو، میں

ایک قسم کا ذمہ دار قرار دیا جاؤں گا، اس لیے میں نے کہا کہ ماننے کے دو معنی ہیں، حاکم نے تعجب سے پوچھا ماننے کے دو معنی کیا ہیں؟ میں نے کہا ایک تصدیق کرنا یعنی سچا سمجھنا، اور ایک تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا سو تصدیق کے درجہ میں تو سب مسلمان مانتے ہیں کوئی مسلمان ہمارے بتلائے ہوئے مسئلہ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا، اس سے مقدمہ پر اچھا اثر ہوا۔

"اور تسلیم کے درجہ میں ہماری حکومت تو ہے نہیں محض اعتقاد ہے، اس لئے کوئی مانتا ہے یعنی جس کو اعتقاد ہے اور کوئی نہیں مانتا یعنی جس کو اعتقاد نہیں۔

پھر نفس مسئلہ کے متعلق بیان ہوا، جب میں بیان دے کر اجلاس سے باہر آیا تو تمام بیرسٹر اور وکلاء جمع ہو گئے اور کہنے لگے عجیب و غریب سوال ہوئے اور دوسرے سوال کے جواب میں تو ہم بھی چکر میں تھے، واقعی سوال خطرہ سے خالی نہ تھا مگر جواب بھی ایسا ہوا کہ ہماری سمجھ میں بھی نہ آیا تھا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ سب مدارس عربیہ کی برکت ہے، وہاں مختلف قسم کے احتمالات و شقوق نکالا کرتے ہیں، یہ بات انگریزی تعلیم میں تھوڑا ہی پیدا ہو سکتی ہے، یہ عربی ہی تعلیم کے اندر

برکت ہے، اور اس قسم کے احتمالات نکالنا عربی طلبہ ہی کا کام ہے، انگریزی طلبہ قیامت تک ایسے احتمالات نہیں نکال سکتے۔ ملخصًا

یہ تو مدارس عربیہ کی تعلیم کا اثر مذکور ہوا۔

اب تربیت کے متعلق عرض ہے کہ جب طالب علم صحیح معنی میں اپنی حیثیت ملحوظ رکھے، طبیعت کے تقاضوں پر نہ چلے، ادھر اُدھر کے خیالات سے بے التفات رہے، بس اپنے کام میں مطالعہ و تکرار سبق کی پابندی پورے طور پر کرتا رہے تو اس کی صلاحیت بہت خوب ہو جاتی ہے، پھر کسی شیخ کے پاس زیادہ رہنا اور زیادہ مجاہدہ کرنا نہیں پڑتا، جیساکہ حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ میں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ علماء کو سلوک میں مجاہدہ بہت کم کرنا پڑتا ہے، انھوں نے فرمایا (جواب دیا) کہ یہ سب سے زیادہ مجاہدہ کرتے ہیں جب تک طالب علمی کرتے ہیں وہ سب مجاہدہ ہی ہے، تو یہ طالب علمی کی دوڑ دھوپ ضائع و بیکار نہیں، اس میں بہترین تربیت ہو سکتی ہے۔

مدارس عربیہ کا نصاب رائج، درس نظامی

مدارس عربیہ کا مروجہ نصاب

جس کو درس نظامی کہتے ہیں اس نصاب کو پڑھ کر استعداد و قابلیت

کامل درجہ کی حاصل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ اگر عربی کا طالب علم اس درس نظامی کو اوسط درجہ کی فہم واستعداد سے بھی پڑھ لے تو عجیب وغریب استعداد اور بہترین قابلیت پیدا ہو جاتی ہے ایسی قابلیت کہ پھر کوئی کہیں کا بھی ڈگری یافتہ امریکہ کا ہو یا لندن کا ہو یا برطانیہ کا، کوئی بھی اس عربی طالب علم کے سامنے چل نہیں سکتا، چونکہ اس نصاب کی اکثر کتابیں ایسی ہیں جن میں منطق کا کافی دخل ہے، اکثر کتابوں میں منطقی رنگ ہے کسی بھی فن کی کتاب ہو، اور منطق قوت فکریہ کو صحیح اور تیز کرنے والی چیز ہے، قوت فکریہ سے ہی دوربینی اور حقیقت رسی آتی ہے، مقولہ مشہور ومسلم ہے کہ سوچ میں پہنچ ہوتی ہے، اس لئے منطق پڑھنے سمجھنے سے قرآن پاک سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، بڑی سہولت اور آسانی سے مطلب سمجھ میں آجاتا ہے، گنجلک اور پیچیدگی پیش نہیں آتی، افہام وتفہیم میں منطق سے تسہیل ہو جاتی ہے،

غرض منطق سے فہم وفکر اور عقل کی درستی حاصل ہوتی ہے، اس سے حقائق شناسی آجاتی ہے، اسی لئے حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ تجربہ ہے کہ آدمی عربی درسی کتابیں سمجھ کر پڑھ لے، پھر ان کے بعد

آگے کسی چیز کی ضرورت نہیں، بزرگوں نے جو درسی کتابیں انتخاب کی ہیں، ان میں سب کچھ ہے مگر سمجھ کر پڑھ لینا شرط ہے۔

رفع اشکال اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب علم دین کی یہ خوبی اور تعلیم و تدریس ایسی کمال درجہ کی چیز ہے جس سے سابق زمانوں میں ان درسگاہوں سے اونچے اونچے درجہ کے اہل فضل و کمال علما، محققین اور مشائخ کاملین بنکر نکلتے تھے، تو اب ان درس گاہوں سے ایسے قابل و فاضل اور انسان کامل کیوں نہیں تیار ہوتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف بزرگانِ سابقین اکابر محققین نے پڑھا تھا، جس طرح ان کی طالب علمی ہوتی تھی، اب اس طرح نہیں پڑھتے، ان کا طریق اختیار نہیں کرتے۔

جب ان کا طریق تحصیل علم اختیار نہیں کیا جاتا تو وہ ثمرات و برکات جو انھیں حاصل ہوتے تھے کیسے حاصل ہوسکتے ہیں۔ اور اکابر و اسلاف کا دورِ طالب علمی اور طریق تحصیل علم تفصیلی طور پر تو ان کی مطبوعہ سوانح و حالات زندگی سے معلوم ہوسکتا ہے۔

یہاں اجمالی بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ حضرات سابقین تحصیل علم کے جمیع شرائط اور دفع موانع پر کاربند تھے، اس لئے علم حقیقی اور اس کے ثمرات و برکات سے مالامال تھے۔

چونکہ یہ بات بالکل معقول اور مسلم ہے کہ کسی شئے کی خاصیت مرتب ہونے اور اس کا پورا اثر پورا فائدہ حاصل ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں، ایک اجتماع شرائط دوسرے ارتفاع موانع۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آجکل علم حاصل کرنے والے اصحاب کا کیا حال ہے؟

سو اب عام اور غالب حال یہ ہے کہ نہ حصول علم کے شرائط واسباب اختیار کرنے ہی کا اہتمام ہے، نہ موانع حصول علم سے بچنے ہی کا انتظام والتزام۔

بلکہ اکثر وبیشتر تو شرائط وموانع کا بالکل علم ہی نہیں، اور اگر کہیں کچھ علم ہے بھی تو اس سے کام کچھ نہیں لیتے بس لاپرواہی آزادی طبع اور پوری غفلت ہے۔

شرائط علم سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ علم کی واقعی طلب ہو، اور طلب بھی صحیح وصادق ہونا ضروری ہے نری تمنا اور آرزو یعنی محض تصور اور صرف ایک خیال اور طلب کے نام سے علم حاصل نہیں ہو سکتا، چونکہ علم کوئی معمولی شئی اور سستی چیز نہیں کہ ہر کسی کو حاصل ہو جایا کرے۔

علم کوئی بازاری عورت نہیں کہ ہر چلتا پھرتا اس کو حاصل کرلے

اس کی مثال تو اس شاہزادی کی سی ہے جس کی غیرت وعفت وشرافت کی ایک دنیا مجنوں بنی ہوئی ہے، اور ہزار غلامی کے اقرار پر بھی اس کا ملنا مشکل ہے، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے العلم لا یعطیك بعضہ حتی تعطیہ کلك یعنی جب کوئی اپنا کل کا کل اس علم کے حوالہ کردے گا کہ اس کی طلب میں مرے کھپے گا اور اسی کا ہو رہے گا، تب کہیں اس علم سے حصہ پاسکے گا۔

لہٰذا غفلت و بے پرواہی اور سستی اور آرام طلبی میں دولت علم نہیں ملے گی، عیش و آرام چھوڑ کر محنت و مشقت، اسباب و ذرائع اختیار کرنا ضروری ہوگا، صرف تمنائے حصول علم اور محض خیال اور صرف آرزو ہرگز ہرگز کافی نہیں ہوسکتی، چنانچہ محققین کا ارشاد ہے ؎

لوکان ھذا العلم یدرك بالمُنیٰ ❊ ماکان یبقی فی البریۃ جاھل
فاجھد ولا تکسل ولا تك غافلا ❊ فندامۃ العقبیٰ لمن یتکاسل

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دولت علم تمناؤں، آرزوؤں سے حاصل ہوجایا کرتی تو مخلوق میں کوئی بھی جاہل نہ رہتا، چونکہ کچھ کرنا ہی نہ پڑتا محض ایک تصور و خیال سے کام چل جایا کرتا۔ جو کہ ہر کوئی کرلیا کرتا، لیکن ایسا ہرگز نہیں، بلکہ یہ غیر فانی دولت علم تو بڑے پتّہ مارے سے، بڑی محنتوں مشقتوں سے حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا اے طالب علم! جدوجہد کیجئے، سستی چھوڑیئے اور غافلی وبے پرواہی ترک کیجئے اس لئے کہ یہ چیزیں، بدعادتیں انجام کار محرومی پشیمانی اور شرمندگی اور حسرتوں میں مبتلا کرتی ہیں۔

الحاصل یہ بات نہایت واضح اور بالکل ظاہر ہے کہ کسی چیز کی خواہش اور چاہت وطلب، واقعی اور صحیح ہونا ضروری ہوتی ہے محض تصوری اور خیالی طلب کو طلب کا صرف نام ہی دیا جاسکتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں، سچی اور واقعی اور حقیقی طلب اس کو نہیں کہا جاسکتا، بلکہ کسی چیز کی طلب جب ہی سچی اور معتبر ہوتی ہے کہ اس کے ذرائع اور اسباب بھی اختیار کئے جائیں، اور ان کے حاصل کرنے میں کوشش ومحنت اور مشقت بھی اختیار کی جائے، اور جو شخص ایسا نہ کرے، چاہت وطلب کا مدعی تو ہو مگر اس کے اسباب اختیار نہ کرے تو اس کو اس شئی کا طالب نہیں کہا جاسکتا۔

جیسے کوئی شخص مالدار ہونا چاہے اور جب اس سے کہیں کہ ان باتوں کو اختیار کرو جو روپیہ کمانے کے لئے ضروری ہیں، پھر کسی واقف کار کی صحبت میں رہو تاکہ کمانے کے طریقوں میں مہارت حاصل ہوجائے، اس کے بعد اس کام کو شروع کردیا جائے اور

آمد و خرچ کا حساب ایک انتظام کے ساتھ ہو کہ خرچ آمدنی سے کم رہے تاکہ کچھ رقم پس انداز ہوتی رہے اور تھوڑا تھوڑا جمع ہو کر خاصی رقم جمع ہو کر تمول حاصل ہو جائے۔

اس پر وہ شخص کہے کہ جناب مجھ سے نہ وہ علوم اور طریقے اختیار ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کی صحبت میں رہکر اسکے نخرے اٹھائے جا سکتے ہیں، پھر یہ پابندی کہ خرچ کو محدود کر کے دل کو ماروں، میں تو جتنا چاہوں گا خرچ کروں گا، تو کیا یہ شخص مالداری کا طالب مانا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کو بوالہوس کہا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ تو چاہے کہ اس کو کھیت سے غلہ حاصل ہو جائے، مگر جب اس سے کہتے ہیں کہ کھیتی کر، زمین میں بیج ڈال، پانی دے، کھیت کی نگرانی اور دیکھ بھال کر، اس کی ترائی کر وغیرہ وغیرہ تو کہتا ہے کہ یہ مشقت کون اٹھائے، گھر چھوڑ کر جنگل جا کر کیوں پڑا جائے کھیت کی سینچائی، نرائی وغیرہ یہ تکلیفیں کون اٹھائے، تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اس کو احمق ہی کہے گا، اس کو غلہ کا طالب کوئی نہیں مانے گا۔

اسی طرح علم کی طلب بھی زبانی و برائے نام کافی نہیں۔ اگر مدرسہ میں داخلہ لے کر وہاں قیام پذیر بھی ہو گئے یا اور ایک آدھ کام سرسری اور نام چارہ کو کر لیا بس، تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ کوئی شخص

کھیت کے کنارہ جاکر یا کھیت کے اندر جاکر بیٹھ گیا یا زیادہ سے زیادہ کھیت میں چل پھر لیا بس، جو محنت مشقت کے ضروری کام تھے وہ بالکل نہیں کئے، تو کیا یہ شخص اس کھیت اس زمین سے غلہ حاصل کرے گا؟ ہرگز نہیں ۔

غرض یہ بات پورے طور پر واضح ہوگئی کہ کسی چیز کی چاہت کا دعویدار اور خود کو طالب سمجھنے والا اگر اسباب و ذرائع اختیار کرے تو طالب ہے ورنہ بوالہوس (احمق) ہے، ایسے شخص کو ہر ایک یوں ہی کہے گا کہ یہ شخص احمق ہے۔ بہر حال محض طلب اور نری تمنا اور صرف آرزو مفید و معتبر نہیں بلکہ طلب صادق ہونا ضروری ہے جس کے لئے کسب ذرائع، اختیار اسباب و شرائط لازم ہے۔

اس لئے علم کی طلب صادق اور واقعی ہونا حصول علم کے لئے اولین شرط ہے ۔

لیکن طلب علم کے لئے مطلوب یعنی علم کے متعلق تین چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے جن کے بغیر جانے بصیرت اور شرح صدر نہیں ہوگا، طلب میں خامی و کمزوری ہوگی ۔

وہ تین چیزیں یہ ہیں، تعریف[۱] علم۔ موضوع[۲] علم غرض و[۳] غایت علم۔ اب ان کو تفصیلاً عرض کیا جاتا ہے۔

تعریف علم علم کتابوں کے نقوش، اور ان نقوش کے پڑھنے پڑھانے کو نہیں کہتے، کتابوں کا پڑھنا پڑھانا درسی تدریسی تمام امور تو علم کے نقشے اور صورتیں ہیں جیسے شیر گھوڑے وغیرہ کی تصویریں ہوتی ہیں، اور ان کو مجازاً شیر اور گھوڑا کہدیتے ہیں، جیسے وہاں محض شکل و شباہت اور علامت ودلالت کے سبب ان پر ذی صورت کا نام اطلاق کر دیتے ہیں، ایسے ہی علامت و دلالت کے سبب نقوش والفاظ کو بھی مجازاً علم کا نام دیدیتے ہیں اور ان کو علم کہدیتے ہیں، فی الحقیقت یہ نقوش والفاظ علم نہیں۔

چونکہ علم کی تعریف محققین کے کلام میں عنوانات ذیل سے کتب میں مذکور ہے۔

۱۔ العلم نور والجهل ظلمة۔	۱۔ علم ایک قسم کا نور ہے، اور جہل ایک قسم کی ظلمت ہے۔
۲۔ العلم مال لا يسرقه سارق ولا يسلبه سالب ولا يقسمه قاسم ولا يحرقه النار	۲۔ علم وہ دولت ہے جس کو نہ کوئی چرانے والا چرا سکتا ہے اور نہ کوئی چھیننے والا اس کو چھین سکتا، اور نہ کوئی تقسیم کرانے والا اس کو تقسیم کرا سکتا اور نہ اس کو آگ

ولا یغرقہ البحر	جلا سکتی، اور نہ اس کو دریا، سمندر ڈبو سکتا،
ولا یاکلہ الدود وھو	اور نہ اس کو کیڑے کھا سکتے، اور وہ علم عالم
یکون مع العالم حیثما یکون	کے ساتھ ہی رہتا ہے جہاں بھی اور جس طرح
وکیفما یکون حتی لو کان	بھی عالم ہو، یہاں تک کہ اگر ہر قسم کے
العالم خالیا عن کل متاع	سامان واسباب سے بھی خالی ہو بلکہ کپڑوں
واسباب بل کان متجردا	سے بھی عاری وخالی ہو تب بھی دولت
عن الثیاب یکون العلم معہ	علم اس کے ساتھ رہے گی۔
۳۔ قال العینی اختلف	۳۔ علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ علم کی تعریف
العلماء فی حد العلم فقال	کے بارے میں مختلف رائے ہیں بعض
بعضھم لا یحد (قلت سبب	علمار فرماتے ہیں کہ علم کی تعریف ہو ہی
عدم الحد مختلف قیل	نہیں سکتی، اور بعض علمار فرماتے ہیں کہ
العسر وقیل لانہ ضروری)	تعریف ہو سکتی ہے اور سب سے اچھی
وقال آخرون انہ یحد و	تعریف یہ ہے کہ علم ایک صفت ہے جو
لھم فیہ اقوال واصح الحدود	نفس میں ہوتی ہے، اس سے اشیار
انہ صفۃ من صفات النفس	معنوی میں ایسی کامل تمیز واقع ہو جاتی
توجب تمیزا لا یحتمل النقیض	ہے جس سے احتمال نقیض بالکل
فی الامور المعنویۃ۔	نہیں رہتا۔

٤ - قال علیؓ ان العلم باق لا یزال۔

٤ - حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ علم ایک باقی رہنے والا خزانہ ہے، کبھی زائل اور فنا نہیں ہوگا۔

٥ - عن زیاد بن لبیدؓ قال ذکر النبی صلے اللہ علیہ وسلم شیئاً فقال ذلك عند اوان ذهاب العلم قلت یارسول اللہ وکیف یذهب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرئه ابنائنا ویقرئه ابنائنا ابناءهم الی یوم القیامة فقال ثکلتك امك یازیاد ان کنت لاراك من افقه رجل بالمدینة اولیس

٥ - حضرت زیاد بن لبید انصاری صحابیؓ نے بیان کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کا ذکر فرمایا پھر فرمایا کہ یہ علم چلے جانے کے وقت ہوگا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ علم کیسے چلا جائے گا حالانکہ ہم قرآن خود بھی پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دلائیں گے۔ (اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ سلسلہ، قیامت تک چلتا رہے گا اور علم باقی رہے گا) تو ارشاد فرمایا تجھ کو تیری ماں روئے (یعنی تعجب ہے کہ تم بھی علم کی حقیقت نہیں سمجھے) میں تم کو مدینہ کا بڑا سمجھدار

ھذہ الیھود والنصاری یقرؤن التورٰۃ والانجیل لایعلمون بشئ مما فیھما رواہ احمد وابن ماجہ (مشکوٰۃ)

قال فی الکوکب. اجاب بان العلم اذا لم یقارن بہ العمل لاعداد بہ کاھل الکتاب فانھم لما لم ینتفعوا بعلومھم ما کانوا الا کالحمار یحمل اسفارا۔ وفی المرقاۃ نزل العالم الذی لایعمل بعلمہ منزلۃ الجاھل بل بمنزلۃ الحمار الذی یحمل اسفارا بل اولئک کالانعام بل ھم اضل۔

آدمی خیال کرتا تھا اگر محض کتابی نقوش اور پڑھنا پڑھانا علم ہے تو کیا یہ یہود و نصاریٰ توراۃ و انجیل نہیں پڑھتے رہتے حالانکہ ان کتابوں کی کسی بات پر بھی عمل نہیں کرتے۔

یعنی حقیقتِ علم، عمل کے بغیر نہیں پائی جاسکتی، عمل کے بغیر پڑھنا پڑھانا محض صورتِ علم اور پوست بے مغز ہے جو قابلِ اعتبار اور لائق شمار نہیں، چونکہ بے عمل پڑھنے لکھنے والا بھی درحقیقت جاہل ہی ہے اسلئے کہ عمل کے بغیر کتابوں کا اٹھانا لانا لے جانا گدھے پر کتابیں لادنے کی مثل بے فائدہ اور وبالِ جان ہے بلکہ نظرِ تعمق سے دیکھا جائے تو ایسا شخص چوپاؤں میں شمار بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہِ حقیقت ہے۔ (ھکذا فی الکوکب والمرقات)

ان سب تعریفات سے ظاہر ہے کہ کتب اور ما فی الکتب اور الفاظ و بیانات علم نہیں ہیں، بلکہ یہ علم پر دلالات اور اس کی علامات ہیں، دوسرے الفاظ یا دوسرے عنوان سے یوں سمجھئے کہ یہ سب علم کی تصویرات ہیں جو ذو تصویر کا پتہ دیتی ہیں، اور

اس کے حصول کی رغبت دلاتی ہیں، جیساکہ ختم بخاری کے درس وتقریر میں بیان کیا گیا تھا کہ جیسے نور نبوی کو حق تعالیٰ نے اس عالم ناسوتی عالم مادی میں فیضان وافاضہ کے لئے بھیجنا چاہا تو براہِ راست، بلا واسطہ نہیں بھیجا، چونکہ بلا واسطہ ہم اس نور سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، اس کا ہم پر فیضان نہیں ہوسکتا تھا، اگر کچھ ہوتا بھی تو وہ غیر شعوری غیر ارادی وغیر اختیاری صورت سے ہوتا جیسے آفتاب کے نور سے مخلوق کو فیض ہوتا ہے، تعلیم وتعلم کا سلسلہ اس نور محض سے قائم نہ ہوسکتا تھا جو کہ اس نور کو اس عالم میں بھیجنے سے اصل مقصود تھا، غرض حق تعالیٰ نے نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم مادی کا لباس دے کر جسم عنصری کی شکل میں ہمارے افادے واستفادے کے لئے اس عالم میں مبعوث فرمایا تھا

اسی طرح علم بھی نور ہے اس کو ہمارے استفادہ کے لئے الفاظ ونقوش کا جسم دے کر یہاں بھیجا ہے،

بہرحال محض نقوش والفاظ علم نہیں بلکہ حقیقۃً علم ایک نور ہے جو اس عالم میں ہمارے افادہ واستفادہ کے لئے حقائق ومعارف مسائل واحکام جاننے کے لئے نقوش والفاظ کی صورت میں ہم کو عطا کیا گیا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس حقیقت سے ناواقفی غالب

ہے، اسی حقیقت ناشناسی سے آج کل محض الفاظ و نقوش جان لینے کو ہی بڑا کمال سمجھ لیا گیا، حالانکہ اس سے نور علم، نور فہم نہیں ملتا۔

علم دین کا موضوع

اس علم کا موضوع، افعال و احوال مکلفین ہیں، چونکہ انھیں افعال و احوال سے اس میں بحث کی جاتی ہے کہ یہ صحیح ہے یا غلط ہے، جائز ہے یا ناجائز ہے، حرام ہے یا حلال ہے، اور کس کس درجہ کا جواز و عدم جواز ہے، حلت و حرمت کیسی اور کس درجہ کی ہے۔

اس سے ظاہر و ثابت ہے کہ اس علم میں لگنے والوں کو اپنے افعال و احوال کے حسن و قبح، جائز ناجائز سے قطع نظر کر کے بلا فرق و تمیز زندگی گذارنا، موضوع علم اور شان تعلمی کے بالکل خلاف ہے چونکہ علم کا تقاضا اچھے برے کی ذہنی و حسی تمیز ہے جو کہ صورت مذکورہ میں ضائع اور منعدم ہے،

اور جب علم کا موضوع ہی ختم ہو تو وہ علم ہی کہاں رہا، علم و جہل میں کوئی فرق و امتیاز نہ رہا، اسی وجہ سے قرآن پاک میں عمل سوء یعنی خلاف علم خلاف شریعت طریق اختیار کرنے کو جہالت و حماقت کیساتھ متصف ہونا فرمایا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ۔ ای حماقۃ یعنی توبہ جس کا

قبول کرنا حسب وعدہ اللہ کے ذمہ ہے، وہ انہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ (صغیرہ یا کبیرہ) کر بیٹھتے ہیں۔

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فرمایا ہے کل عامل بمعصیۃ اللہ فھو جاھل حین عملھا یعنی جو شخص کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے وہ یہ کام کرتے ہوئے جاہل ہے (اگرچہ صورت میں بڑا عالم اور باخبر ہو)۔

ابوالعالیہ اور قتادہ جلیل القدر تابعین سے ہیں انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر متفق تھے کہ کل ذنب اصابہ عبد فھو جھالۃ عمداً کان او غیرہ۔ بندہ جو گناہ کرتا ہے خواہ بلا قصد یا بالقصد بہر حال جہالت ہے۔

حضرت عکرمہؓ نے ارشاد فرمایا امور الدنیا کلھا جھالۃ دنیا کے وہ سارے کام جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت سے خارج ہیں سب کے سب جہالت ہیں۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا تھوڑی دیر کی لذت کو ہمیشہ باقی رہنے والی لذت پر ترجیح دے رہا ہے، اور جو تھوڑی دیر کی لذت کے بدلہ میں ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب شدید خریدے وہ عاقل نہیں کہا جا سکتا، اس کو ہر شخص جاہل (احمق) ہی کہے گا اگرچہ وہ اپنے فعل بد کو جانتا ہو، اور اس کا قصد و ارادہ بھی کر رہا ہو۔

بخاری شریف اور اس کی شرح فتح الباری میں باندی کے بیٹے کہہ کر پکارنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو یہ فرمایا تھا انك امرئ فیك جاهلیة کہ تم میں جہالت باقی ہے۔ معلوم ہوا کہ خلاف ادب، خلاف تہذیب الفاظ بولنا بھی خلاف موضوع ہے اور جہالت کی بات ہے۔ نیز حدیث میں ہے خصلتان لا تجتمعان فی منافق حسن سمت ولا فقه فی الدین یعنی علم دینؔ اور اچھے اخلاق وعادات صلحاء کی وضع قطع منافق میں جمع نہیں ہوتے۔

معلوم ہوا کہ تحصیل علم کے ساتھ اطوار وعادات کی درستی نہایت ضروری ہے، ورنہ محض الفاظ ونقوش جان لینے پر اکتفاء کرنا، اور اعمال واخلاق کی درستی سے لاپرواہی بے فکری وغفلت رکھنا منافقانہ طور وطریق ہے۔

چونکہ منافق دین کی کوئی رسم وصورت اختیار کرتا ہے، تو محض دنیوی منفعت ومصلحت جاہی، مالی وغیرہ اس کی غرض ہوتی ہے اطاعت وعبادت اور درستی آخرت بذریعہ اصلاح نفس، اصلاح اعمال سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا علم فی الحقیقت مفید ونافع نہیں ہوتا، حدیث میں ایسے علم سے پناہ مانگی ہے دعا میں

فرمایا ہے اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع. علامہ سیوطیؒ نے اس کی شرح میں فرمایا ہے ای لا یھذب الاخلاق الباطنة فیسری منھا الی الاعمال الظاھرة ویحصل بھا الثواب الآجل وانشدت ؎

یا من تقاعد عن مکارم خلقہ ✽ لیس افتخار بالعلوم الذاخرة
من لم یھذب علمہ اخلاقہ ✽ لم ینتفع بعلومہ فی الآخرة

یعنی ایسا علم جس سے معلومات تو حاصل ہوں مگر اعمال و اخلاق درست اور موافق شرع نہ ہوں علم غیر نافع اور وبال جان ہے۔

اس لئے طالب علم کو موضوع علم ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے علم کی شان محفوظ رکھنا اور اپنے تمام حالات میں جائز، ناجائز، حرام، حلال کا استحضار اور دھیان رکھتے ہوئے اپنے ہر قول و عمل و حال سے جہالت و جاہلیۃ کو دور کرتے رہنے اور تمام قسم کے جاہلوں یہود و نصاریٰ کافروں مشرکوں منافقوں فاسقوں فاجروں کے اقوال و افعال عادات و اطوار کی نقل و تشبہ سے پرہیز اور ان کے ہر طور طریق، وضع قطع، لباس صورت شکل سے پوری نفرت کے ساتھ اجتناب کا اہتمام رکھنے اور زندگی کے تمام حرکات، سکنات

میں شانِ علمی کے برقرار رکھنے اور عمل صحیح پر دائم قائم رہنے کی فکروسعی ایک حتمی اور لازمی چیز ہے اور موضوع علم کے عین موافق ہے۔

علم دین کی غرض وغایت بلفظ دیگر مقصد تحصیل علم

ابتدائی کتابوں میں ہی پڑھتے ہیں کہ عاقل بالغ کا کوئی کام غرض وغایت سے خالی نہیں ہوتا، اسی کے قریب المعنی یہ مقولہ بھی ہے جو کہ مشہور ہے فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ عقلمند کا کام حکمت، مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، اور یہ بات بالکل صحیح اور تمام اہل عقل کے نزدیک مسلّم وتسلیم شدہ ہے، چونکہ ہر انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ اولاً حصول نفع یا دفع ضرر کا تصوّر وخیال آتا ہے، جس سے قلب میں ایک حرکت اور اُبھار پیدا ہوتا ہے، اور اسی جلب منفعت کے لئے یا دفع مضرت کے لئے طریق اختیار کرنے کا قلب میں داعیہ، تقاضا پیدا ہوتا ہے۔

تو یہ خیالی نفع وضرر ہی کسی کام کے کرنے کا باعث بنتا ہے اسی خیالی اور ذہنی نفع کا حاصل کرنا اور ضرر سے بچنا غرض ومقصد اور نیت کہلاتا ہے، جو کبھی خیر اور کبھی شر ہوتا ہے، اسی وجہ سے غرض

ونیت کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں، صحیح اور فاسد یا یوں کہئے کہ غرض و نیت دو پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہیں، ایک مثبت پہلو اور یہ صحیح غرض اور صحیح نیت ہے، دوسرا منفی پہلو اور یہ فاسد نیت، فاسد غرض ہے مثبت پہلو کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت کیا جائے، اور منفی پہلو کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نفی کی جائے، اس لئے جو جو اغراض علم دین حاصل کرنے میں نہ ہونا چاہئیں، ان کی نفی کی جاتی ہے ان کا قبیح اور مُضر ہونا بتلایا جاتا ہے۔

لہٰذا عرض ہے کہ علم دین حاصل کرنے کی غرض اور مقصود، منصب وعہدہ، طلب معاش، عزت وشہرت اور ناموری، مناظرہ مباحثہ میں لوگوں پر غالب آنا وغیرہ ہرگز نہ ہو۔ چونکہ اس قسم کی نیتوں کا اثر یہ ہوگا کہ صرف چرب لِسانی، زبان درازی، لفاظیت ولَسّانیت پر محنت ہوگی، بس اسی کی کوشش ہوگی کہ تقریر کرنا اور اچھے انداز میں بولنا آجائے، دلچسپ عنوانات وبیانات میں ملکہ حاصل ہو جائے، مضمون سازی مضمون نگاری میں مہارت پیدا ہو جائے۔ تنقید وتبصرہ کا طریق آجائے، پھر ان چیزوں سے سُمعہ وشہرت، فخر ومباہات خود بینی خود ستائی، اپنی بات کی پَچ اور ہٹ دھرمی اور اپنی غلطی کا تسلیم نہ کرنا، دوسروں کے معائب پر نظر اور اپنے محاسن

پر نگاہ ہوگی، بدگمانی بدزبانی، عیب جوئی عیب گوئی ہوگی، دوسروں کی نگاہ میں اپنی وقعت بڑھانے ان کو اپنا معتقد بنانے کے ذریعہ مال ومتاع دنیا بیش از بیش حاصل کرنے کی طمع وحرص، اسی لئے رضائے خالق کے بجائے رضائے خلق کا قصد ہونا وغیرہ اغراض فاسدہ کے سبب سے درستی اخلاق واعمال، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب غرض اپنی اصلاح و درستی جو علم سے اصل مقصود ہیں ان سے بالکل بے توجہی اور بے التفاتی ہوگی، اور اعمال واخلاق سب فاسد ہو کر فساد عالم کا باعث ہوں گے، اسی لئے فاسد نیات سے علم حاصل کرنے پر سخت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

(۱) من طلب العلم لغیر اللہ او اراد بہ غیر اللہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

جو شخص غیر اللہ کے لئے علم طلب کرے یا یہ فرمایا کہ جو شخص علم طلب کرے اور اس سے غیر اللہ کو مقصود بنائے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے یعنی اس کو جنت میں ٹھکانا نہ ملے گا۔

(۲) نیز ارشاد ہے لا تعلموا العلم لتباهوا بہ العلماء ولا لتماروا بہ السفهاء ولا تحیزوا بہ المجالس

علم اس لئے نہ حاصل کرو کہ اس سے علماء پر فخر کرو، اور نہ اس لئے حاصل کرو کہ جاہلوں بیوقوفوں سے جھگڑنے میں غلبہ پاجاؤ، اور نہ اس لئے حاصل کرو تاکہ لوگوں کے دلوں میں

فمن فعل ذٰلک فالنار النار۔ قال فی انجاح الحاجۃ المراد منہ لا تمکنوا فی قلوب الناس لتکونوا بہ صدر اللمجالس	جگہ پالو، پھر اس سے مجالس و محافل میں صدر بنائے جاؤ، جو ان اغراض ان نیات سے علم حاصل کرے گا تو جہنم میں داخل ہوگا جہنم میں۔
(۳) یہ بھی ارشاد ہے من تعلم علمًا ممایبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیمۃ یعنی ریحھا۔	جو شخص ایسا علم جس سے ذات الٰہ یعنی رضا الٰہی طلب کی جاتی ہے یعنی علم دین سیکھنے لگے اس حال میں کہ نہیں علم حاصل کرتا ہے وہ مگر تاکہ اس سے دنیا کا کوئی سامان، جاہ، مال وغیرہ پالے تو وہ شخص جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا جنت تو درکنار۔

اور بھی بہت سی حدیثوں میں دنیوی مقاصد سے علم دین حاصل کرنے پر وعیدیں اور مذمتیں وارد ہیں، طوالت کے خوف سے زیادہ نقل نہیں کی گئیں، سلیم الطبع کے لئے ان چند احادیث میں بھی کافی نصیحت ہے اور کج طبع فاسد المزاج کے لئے طویل سلسلہ بھی کچھ مفید نہیں، کسی نے خوب کہا ہے۔

ہشیار کو ایک حرف نصیحت ہے کفایت ٭ نادان کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ

احادیث مذکورہ سے ظاہر ہے کہ علم دین کسی بھی دنیوی غرض،

حصول سند، حصول معاش و اموال، حصول عہدہ و منصب، شہرت و ناموری وغیرہ حصول دنیا کی کسی بھی فاسد نیت سے ہرگز نہ پڑھا جائے، بس علم دین سے مقصود صرف رضاء الٰہی ہونا ضروری ہے

چونکہ مثل اور عبادات کے تحصیل علم دین بھی ایک عبادت ہے اور ہر عبادت میں اخلاص ماموربہ اور مطلوب اور لازمی و ضروری ہے۔ اس لئے علم دین حاصل کرنا بھی خالص اللہ کے لئے ہونا ضروری ہے اسی صحیح غرض و مقصد اور صحیح نیت و اخلاص کا استحضار لازم ہے کہ بدون استحضار نیت، تحصیل علم میں لگنے سے قلت رغبت، قلت شوق ہوکر جد و جہد اور محنت میں کمی ہوگی، طبعیات کا غلبہ اور کسل مندی ہوگی، موانع کا مقابلہ نہ ہوگا تو لامحالہ طالب علمی محض مشغلہ اور ایک لہو و لعب ہوکر رہ جائے گی، بس اوقات گذاری اور صرف خانہ پوری کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

بہرحال علم حاصل کرنے میں مقصود ذات حق یعنی رضاء الٰہی ہونا ضروری ہے جس کا طریقہ تزکیۂ نفس ہے اس لئے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم سے مقصود اور غرض اصلی تزکیہ نفس ہی ہے، پڑھنے سے یہی نیت ہونا چاہیئے، نیت کا اثر ضرور پڑتا ہے، سنورنے اور سنوارنے کی نیت ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اثر نہ ہو، اور صلاحیت، صالحیت حاصل نہ ہو بلکہ حق تو

یہ ہے کہ اگر کوئی علم حاصل کرنا چاہے تو طالب علم بننے سے پہلے تزکیہ نفس کرالے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول غار حرا میں خلوت نشینی، چلہ کشی، مجاہدہ و ریاضت نفس اختیار فرمائی، تب آپ کو علم عطا ہوا، نزول وحی ہوا، گویا بزبان حال فرمایا گیا کہ ہاں اس عالم میں اب وقت آیا کہ آپ کو پڑھاؤں اچھا اقرأ پڑھئے معلوم ہوا کہ علم وحی، علم الٰہی، علم دین کے قابل اور اس کا حامل صحیح معنی میں جب ہی بن سکتا ہے، جبکہ تصفیہ قلب، تزکیہ نفس، اصلاح باطن کی صفت سے متصف ہو، اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ تحصیل علم کی صحیح غرض رضاء الٰہی حاصل کرنا ہے اسی کو حسن نیت اور اخلاص کہتے ہیں، اور یہ حصول علم کی دوسری شرط ہے۔

ضد اخلاص

اخلاص کی ضد نفاق ہے، اس لئے بقاعدہ الاشیاء تعرف باضدادھا اشیا اپنی ضدوں کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں، نفاق سے واقفیت بھی نہایت ضروری ہے، چونکہ جتنی نفاق سے واقفیت ہوگی اتنی ہی اخلاص کی حقیقت واضح و ظاہر ہوگی، اور جس قدر نفاق سے پرہیز ہوگا، اسی قدر اخلاص کامل اور اعلیٰ ہوگا۔

لہٰذا اخلاص کو اچھی طرح جاننے اور سمجھنے کے لئے نفاق کی

اچھی طرح تشریح کرنا اور حقیقت کی وضاحت کے ساتھ نفاق کی علامات بیان کرنا ضروری ہے۔

سو یاد رکھئے کہ اخلاص و نفاق اور مخلص و منافق دونوں قسم ہر قول و فعل میں جاری ہوتی ہیں، دونوں قسموں کا ہر قول و فعل سے تعلق ہوتا ہے، اور جیسے اخلاص کے درجات ہیں نفاق کے بھی درجات[1] و اقسام ہیں، اور ہر ایک دوسرے کی ضد ہے، اس لئے بدرجہ کمال دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، یہی مطلب ہے اجتماع الضدین محال کا اور ناقص درجہ میں اجتماع ہو سکتا ہے، مگر اس طرح کہ جس درجہ اخلاص معدوم ہوگا اسی درجہ نفاق موجود ہوگا، اور جس درجہ نفاق معدوم ہوگا اسی درجہ اخلاص موجود اور حاصل ہوگا۔

حدیث[2] مرفوع میں وارد ہے اربع من کن فیہ کان منافقا خالصًا پھر فرمایا ومن کانت فیہ واحدۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص

---

[1] قال فی فتح الباری ص ۶۷ ج ۱ والنفاق لغۃ مخالفۃ الباطن للظاھر فان کان فی اعتقاد الایمان فھو نفاق الکفر والا فھو نفاق العمل ویدخل فیہ الفعل والترك وتتفاوت مراتبہ اور فتح الملہم میں نفاق کی قسمیں بیان فرما کر فھو نفاق دون نفاق لکھا ہے ۱۲

[2] یہ حدیث آگے مفصل آرہی ہے۔ ۱۲

منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک ہوگی تو اس میں ایک خصلت وعادت نفاق کی ہوگی معلوم ہوا کہ نفاق کی باتیں جس میں زیادہ ہوں گی اس کا نفاق شدید اور زیادہ ہوگا اور کم ہوں گی تو نفاق کم درجہ اور ہلکا ہوگا۔ پھر اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نفاق کی صرف چار ہی باتیں ہیں، اس لئے کہ قاعدہ ہے التنصیص علی شئ لا یدل علی الحصر یا یوں کہا جائے ذکر الشئ لا ینافی ما عداہ کہ کسی چیز کی صراحت کر دینے سے اسی میں حصر اور اس کے ماسوا کی نفی نہیں ہوا کرتی، اس کی تائید دوسری حدیث کے طرز و انداز بلکہ الفاظ سے ہوتی ہے۔ ارشاد ہے آیۃ المنافق ثلاث دوسری روایت میں اسی کو من علامۃ المنافق ثلاث کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض علامات نفاق کا بیان ہے۔

پس جیسے یہاں تین بیان فرمائیں، وہاں چار فرمادیں اور بتلانا یہ ہے کہ علامات نفاق بہت ہیں اور مقصود یہ ہے کہ سب علامات نفاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے بچنے اور دور رہنے کی کوشش اور فکر و اہتمام ہو تاکہ منافقین جو سب سے زیادہ مغضوب ہیں کفار و مشرکین سے بھی زیادہ تعذیب و تذلیل کے مستحق ہیں ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو سکے، ان کے اخلاق و افعال سے مناسبت

وموافقت کے بجائے مباینت ومنافرت ہو، اہل ایمان اپنے ایمان کو خالص اور پاکیزہ کر کے الطاف وعنایات الٰہی کا مورد ومحل بن سکیں۔

علم قرآن، علم حدیث پڑھنے سے غرض اخلاق الٰہیہ، اخلاق نبویہ کو حاصل کر کے دین سے مناسبت موانست، دیانت امانت، عدالت ثقاہت اور صداقت وغیرہ صفات حمیدہ کا حصول اصل ہے اس لئے یہ باتیں طالب علموں کو ذہن نشیں کر لینا ضروری ہیں۔

تاکہ اس استحضار وعلم کے ذریعہ اپنے ایمان میں خلوص اور نکھار وعمدگی پیدا کر کے حق تعالیٰ کے مقرب بن جائیں، کوئی بھی صاحب دولت ہو جب تک چوروں، جیب کتروں اور رہزنوں غارت گروں سے چوکنا اور بیدار وہوشیار اور خطرات سے ذہنی طور پر دوچار نہ ہو، اپنی دولت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

اجانب واغیار خواہ کیسے ہی میٹھے اور پیارے بنیں مگران سے پرُخطر ہی رہے گا تو سالم رہے گا، جہاں ان سے موانست کی تباہی آئی، چنانچہ جہاں دیدہ، تجربہ کار ویکتائے روزگار شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔ ؎

نگہ دارد آں شوخ درکیسہ دُر ٭ کہ داند ہمہ خلق راکیسہ بُر

کہ جو دوسروں سے پُر خطر رہے گا، وہی اپنے قیمتی موتی کو محفوظ رکھے گا۔

اسی لئے حضرات صحابہؓ ہمیشہ متیقظ اور بیدار مغز رہتے تھے اپنے نفس سے بدگماں رہتے اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہتے اور کمزوری و نقص کو شدت سے محسوس کرتے، نفاق میں ملوث ہونے کا اندیشہ رکھتے تھے، اپنے ظاہر و باطن میں ذرا فرق رونما ہوتے ہی اپنے منافق ہو جانے کا شبہ کرنے لگتے تھے، چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔

قال ابن ابی ملیکۃ ادرکت ثلثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یخاف النفاق علی نفسہ (بخاری ص ۱۲ ج ۱)

حضرت ابن ابی ملیکہؒ نے فرمایا کہ میں نے تیس صحابہؓ کو پایا، (ایک روایت میں ہے کہ ایک سو تیس صحابہؓ اور ایک روایت میں ہے ایک سو پچاس صحابہؓ کو پایا) ان سب کا یہ حال تھا کہ اپنے متعلق نفاق کا خطرہ و اندیشہ رکھتے تھے (بخاری و احیاء)

قال فی الھامش ما منھم احد یجزم بعدم عروض النفاق۔

حاشیہ میں ہے کہ ان میں سے کوئی نفاق میں مبتلا ہونے سے اپنے کو بری اور منزہ ہونے کا یقین نہ رکھتے تھے۔

ویذکر عن الحسن ماخافہ الا مومن وما امنہ الا منافق (بخاری ج۱ ص۱۲)

حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ نفاق سے مؤمن کے سوا کوئی نہیں ڈرتا اور اس سے منافق کے علاوہ کوئی بے خوف نہیں رہتا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال رجل لحذیفۃ اخاف اللہ ان اکون منافقا قال لوکنت منافقا ماخفت النفاق ان المنافق قد امن النفاق ماخافہ الا مؤمن وامنہ الا منافق۔

ایک شخص نے حضرت حذیفہؓ سے عرض کیا، مجھ کو اللہ کا خوف ہے کہ کہیں منافق نہ ہو جاؤں۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا کہ اگر تم منافق ہوتے تو نفاق سے اندیشہ نہ رکھتے۔ کیوں کہ اس سے مؤمن کے سوا کوئی نہیں ڈرتا ــ اور منافق کے سوا کوئی بے خوف نہیں ہوتا۔

فائدہ

معلوم ہوا کہ سچے ایمان کی نشانی یہ ہے کہ اپنے عیبوں اور کمزوریوں پر نظر ہو کر اپنے ایمان کا خطرہ ہونے لگتا ہے، اپنے حال کو منافقوں جیسا محسوس کرنے لگتا ہے، اور اگر کوئی اپنے سے

بے فکر اور مطمئن ہوتا ہے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے غافل ہوتا ہے تو یہ منافقانہ حال ہے۔

فائدہ ۲:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سمجھنا غلط ہے کہ نفاق حضورؐ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا، جب حضرات صحابہؓ بھی اپنے متعلق اخلاص وصدق کی کمی کو منافقت اور منافقوں کے ساتھ مشابہت خیال فرمارہے ہیں، تو پھر کس کا منھ ہے کہ اپنے اعمال واحوال کو کمال صدق کمال اخلاص پر فائز یقین کرے، اور کمی و کمزوری اخلاص جو کہ منافقوں سے ایک قسم کی مشابہت اور منافقت ہے اس سے بالکلیہ اپنے کو بری سمجھے، نہ اپنے عیبوں کو سوچے اور نہ اصلاح کی فکر کرے۔

احیاء العلوم میں ہے قال حذیفۃ المنافقون الیوم اکثر منهم علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا اذ ذاک یخفونه وهم الیوم یظهرونه وهذا النفاق یضاد صدق الایمان وکماله وهو خفی فقد قیل للحسن البصری یقولون ان لا نفاق الیوم فقال یا اخی لو هلك المنافقون لاستوحشتم فی الطریق وقال هو او غیره لو نبت للمنافقین اذناب ماقدرنا ان نطأ علی الارض باقدامنا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آجکل منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے زیادہ ہیں، (فرق یہ ہے کہ) وہ لوگ نفاق کو چھپاتے رہتے تھے (کیونکہ ظاہر کرنے میں ذلت اور رسوائی تھی) اور آج لوگ اس (کمزوری اور نقص کی باتوں) کو کھلے بندوں کرتے ہیں (چونکہ کسی قسم کا ظاہری اندیشہ نہیں، لہٰذا بیباک ہو رہے ہیں) اور یہ نفاق صداقت ایمانی اور اس کے کمال کے خلاف ہے، اور ایک مخفی چیز ہے جب حضرت حسن بصریؒ سے کہا گیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کل نفاق کا وجود نہیں تو انھوں نے فرمایا کہ اے میرے بھائی! ان لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں، اس وقت منافقین اس کثرت سے ہیں کہ، اگر منافقین (سب کے سب (مر جائیں تو تم آبادی میں راستہ چلتے ڈرو، وحشت کھاؤ (اس لئے کہ آبادی کی رونق ختم ہوکر ویرانی اور سنسنی پھیل جائے گی ہر طرف وحشت ہی وحشت محسوس ہوگی) یہ بھی (حضرت حسن بصری ہی کا یا کسی اور کا مقولہ ہے) فرمایا کہ اگر بالفرض منافقین کے دم نکل آئے تو ہمارا روئے زمین پر قدم رکھنا چلنا مشکل ہو جائے (کیونکہ منافقین اس کثرت سے موجود ہیں کہ کچھ جگہ تو خود گھیریں گے کچھ ان کی دم گھیرے گی تو

زمین کا کوئی حصہ خالی ملنا مشکل ہوگا۔

اسی بات کو روح المعانی میں بھی بیان فرمایا گیا، چنانچہ لکھا ہے آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اوتمن خان ویستفاد عن الصحاح آیۃ اخری لہ اذا خاصم فجر واستشکل ذلک بان ھٰذہ الخصال قد توجد فی المسلم الذی لا شک فیہ ولا شبہۃ تعتریہ بل کثیر من علمائنا الیوم المتصفون باکثرھا اوبھا کلھا قلت کما جاء فی الحدیث اکثر منافقی ھٰذہ الامۃ قراءھا۔ فان القراء کان یطلق فی الصدر الاول علی العلماء ونظیرہ وورد فی الحدیث یؤم القوم اقرءھم، واجیب بان المعنی ان ھٰذہ الخصال نفاق وصاحبھا یشبہ المنافقین فی التخلق بھا والمراد بقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی مافی بعض الروایات الصحیحۃ اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا انہ کان شدید الشبہ بالمنافقین لا انہ کان منافقا حقیقۃ (روح المعانی ص۱۲۹ ج۱)

ترجمہ۔ منافق کی تین نشانی ہیں، جب بات کہے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے، اور جب امانت

رکھی جائے تو خیانت کرے، صحیح حدیثوں سے ایک نشانی اور بتلائی گئی کہ جب جھگڑا کرے تو فحش کلامی پر اتر آئے گالی گلوچ کرنے لگے لیکن ان امور کے علامات نفاق ہونے پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ان علامات والے تو کافر تھے، اور اب یہ عادتیں ایسے مسلمان میں بھی پائی جاتی ہیں جس کے اسلام میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا بلکہ اب تو اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی ان عادتوں میں سے اکثر کے ساتھ بلکہ ساری عادتوں کے ساتھ متصف ہیں۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ ساری عادتیں (چونکہ) منافق میں ہوتی ہیں، لہٰذا جس کے اندر بھی یہ پائی جائیں گی وہ ان کے ساتھ متصف ہونے میں منافقین کے مشابہ ہوگا (کہ جس طرح یہ منافق میں ہوتی ہیں اس میں بھی ہیں، اسی طرح وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ چار چیزیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اس سے بھی مراد یہی ہے کہ ایسا شخص منافقین کے بہت زیادہ مشابہ ہوگا، حقیقی منافق یعنی کافر ہونا مراد نہیں۔

بہر حال یہ ثابت اور ظاہر ہو گیا کہ اخلاص میں خلل ڈالنے والا نفاق آج کل عام ہو رہا ہے، اس لئے جملہ اہل اسلام اہل ایمان کو عموماً اور طلبہ و اہل علم کو خصوصاً اس سے واقفیت کا حاصل ہونا

پھر اس کے استحضار کے ذریعہ اپنے اخلاص اور کمال ایمان کی حفاظت پورے اہتمام اور دوام التزام کے ساتھ کرتے رہنا امر لابدی اور فرض ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا أتمن خان (رواہ البخاری) عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتیٰ یدعھا اذا أتمن خان واذا حدث کذب واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر (متفق علیہ)

ان حدیثوں میں جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی بدعہدی کرنا امانت مال یا قال میں خیانت کرنا اور غصہ اور جھگڑتے وقت بے قابو ہوکر گالی گلوج کرنا منافق کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں، اور جس میں یہ سب باتیں ہوں وہ تو منافقوں کے بہت ہی قریب بالکل مشابہ ہوکر خالص منافق کہلانے کے قابل ہوجانا بیان فرمایا ہے۔

طالب علم جو درخواست داخلہ جس کو فارم داخلہ کہا جاتا ہے

اس کے اصول وضوابط پر دستخط کر کے کسی مدرسہ میں داخل ہوتا ہے، یہ سب بھی معاہدات ہوجاتے ہیں، جس کی خلاف ورزی اذا عاھد غدر کا مصداق اور سچے ایمان کے خلاف ہے، اس لئے مدرسہ کے ضوابط کی پابندی لازم طالب علمی ہے اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان ہدایات اور اصول وضوابط کو اپنے پاس نقل کر کے محفوظ رکھے، اور روزانہ ان پر نظر ڈال لیا کرے اس طرح وہ باتیں مستحضر ہو کر خلاف ورزی اور بدعہدی سے بچ سکے گا۔

الادب النبوی میں حدیث اربع من کن الخ کے تحت لکھا ہے وحقا انها الکبائر موبقة، وجرائم مردیة لا تصدر عن مؤمن ملأ ایمانا قلبه، کہ یقیناً یہ چاروں گناہ کبیرہ اور بربادی وتباہی لانے والے ہیں اور ایسے جرم ہیں جو ہلاکت وآفت ڈالنے والے ہیں جس مومن کا دل ایمان سے بھرپور ہوگا، اس سے یہ صادر نہیں ہوسکتے، اس کے بعد لکھا ہے والحدیث دعامة کبیرة من دعائم الاخلاق التی ترتکز علیها عزة الامم وسعادتها کہ یہ حدیث اخلاق کے ستونوں (اصولوں) میں سے ہے جن پر امتوں قوموں کی عزت وسعادت موقوف ہے۔

یعنی جس قوم میں یہ بداخلاقیاں ہوں گی وہ قوم ذلیل وخوار ہو گی اس کا اعتبار ختم ہو جائے گا، لوگوں کا ان کے ساتھ معاملہ چھوٹ جائے گا اس لئے دنیاوی پریشانیاں بھی ان کو گھیر لیں گی، اور فساد اخلاق سے دل کا سکون واطمینان جو ختم ہو جاتا ہے وہ بھی ایک بدیہی بات ہے۔

پھر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ نفاقی عادتیں صرف یہی نہیں ہیں، اور بھی بہت سے منافقانہ اخلاق وافعال ہیں، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں سورہ منافقون کے تحت بحوالہ مسند احمد ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس میں مذکورۂ بالا عادتوں کے علاوہ منافقوں کی آٹھ علامات کا ذکر فرمایا ہے۔

عن ابی هریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان للمنافقین علامات یعرفون بھا تحیتھم لعنۃ وطعامھم نھبۃ، وغنیمتھم غلول، ولا یقربون المساجد الا ھجرا ولا یاتون الصلوٰۃ الا دبرا مستکبرین، لا یالفون ولا یولفون خشب باللیل وصخب بالنھار (ابن کثیر فی تفسیر سورۃ المنافقین)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کی کچھ علامتیں ہیں جن کے ذریعہ

وہ شناخت کیے جا سکتے ہیں، سلام کے بجائے ان کی زبانوں پر لعنت کا لفظ رہتا ہے، لوٹ کا مال ان کی خوراک ہوتی ہے، خیانت کا مال ان کا مال غنیمت ہوتا ہے، مسجدوں کے قریب نہیں آتے مگر بیہودہ بکواس کرتے ہوئے اور نمازوں میں شریک نہیں ہوتے مگر سب سے آخر میں اتراتے ہوئے، نہ خود کسی سے الفت رکھتے ہیں نہ ان سے کوئی الفت رکھتا ہے، شب میں شہتیر کی طرح بستروں پر پڑے رہتے ہیں اور دن میں شور مچاتے چیختے چلاّتے پھرتے ہیں۔

ف:۔ ان معاصی اور نفاقیات کا خلاصہ، بد اخلاقی، مطلب پرستی، خیانت اور دین سے بیزاری ہے، جب انسان کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو اس کی زبان گندی اور اس کی حرکات خفیف ہو جاتی ہیں، جب اس میں امانت کی صفت نہیں رہتی تو لوٹ کا مال اس کو مال طیب نظر آنے لگتا ہے اور خیانت کرنا اس کی نظر میں غنیمت کی طرح محبوب بنجاتا ہے، جب اس میں مطلب پرستی کی خصلت جاگزیں ہو جاتی ہے تو اس کے پیش نظر سوائے اپنے مطلب کے اور کچھ نہیں رہتا، اس کے دل میں کسی سے الفت نہیں رہتی؛ اس لئے اس کی الفت

دوسروں کے دلوں سے نکل جاتی ہے، خود غرض انسان کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے، اور جب قلب میں دین سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے تو نماز میں چستی باقی نہیں رہتی۔

نتیجہ:۔ طالب علم اخلاص کی صفت والا ان منافقانہ حرکات سے اجتناب اور پرہیز کرنے والا ہوگا — وہ کسی کی چیز بغیر اجازت اس کے سامنے بھی نہیں لے گا اور اس کے پیچھے بھی بلا اجازت استعمال نہیں کرے گا اور کسی کی کوئی چیز بھی نہیں چرائے گا، یہ سب باتیں ناجائز اور قبیح اور ممنوع ہیں۔

لہٰذا سچے طالب علم کو ان باتوں سے نفرت ہوگی، اسی طرح خود غرضی اور مطلب پرستی بھی اس میں نہ ہوگی بلکہ دوسرے انسانوں بلکہ ہر قسم کی مخلوق کے حقوق و آداب کا لحاظ رکھے گا، کسی کی حق تلفی، بے حرمتی، بے ادبی، ایذا رسانی نہیں کرے گا، بلکہ حتی الامکان خدا کی تمام مخلوق کو خلق اللہ اطفال اللہ کے مضمون کے پیش نظر نفع اور راحت ہی پہنچائے گا، اس طرح سے وہ سب سے الفت و محبت رکھنے والا ہوگا، پس لامحالہ وہ بھی سب کے دلوں میں اپنی الفت و محبت پائے گا سب اس سے راضی اور خوش رہیں گے ہر دلعزیزی اس کو حاصل ہوگی۔ بالخصوص مدرسہ کے اصول و ضوابط اور ان کی تعلیمات

وہدایات کا پابند ہوگا، اور اساتذہ کی اطاعت وحرمت وخدمت کے جذبات رکھتے ہوئے امکانی حد تک کوتاہی نہیں کرے گا، اس لئے ایسا طالب علم جملہ اساتذہ وارا کین مدرسہ کے نزدیک قابل قدر ہوگا اس لئے علم کے برکات سے مشرف ہوگا، اور جب یہ ہے تو نماز جو کہ حقوق اللہ میں سے ہے اس میں سستی کرنا تو اس سے کہاں ہوسکتا ہے، وہ تو نماز کے لئے تواضع وادب تہذیب کے ساتھ مسجد میں حاضر ہونے کا عادی ہوگا تکبیر اولی ہی کا پابند ہوگا، بدزبانی اور بیہودہ گوئی، شور وشغب وغیرہ تو اس کے قریب نہیں آسکیں گے۔

حدیث میں ہے ان ھاتین الصلوتین اثقل الصلوات علی المنافقین عشاء اور فجر کی نمازیں منافقوں پر زیادہ بھاری ہیں، نیند اور آرام کے سبب، اگر گرانی محض طبعی ہوتی ہے یعنی اگر یہ گرانی نماز پڑھنے سے مانع نہ ہو تب تو یہ قابل مذمت نہیں بلکہ مجاہدہ وخلاف طبع خلاف نفس کرنے سے باعث اجر وثواب اور رافع درجات ہے، اور اگر یہ نیند اور آرام اس درجہ مرغوب ہوگیا کہ نماز کا خیال مغلوب اور تقاضا معدوم ہوگیا کہ عشاء اور فجر کی نماز کا قصد اور ارادہ ہی ختم کر دیا اور اپنے خیال میں یہ طے کرلیا کہ نماز نہیں پڑھنی جس کی یہ علامت ہے کہ دوسروں کے اٹھانے سے آنکھ کھل جانے اور وقت

نماز معلوم ہو جانے کے باوجود پھر لیٹ جائے اور بالکلیہ ترک
نماز یا قضا پڑھنے کا خیال لاکر بے فکری سے دوبارہ سو جائے یا
یوں ہی سستی اور کسل مندی میں پڑا رہے تو یہ ارادی واختیاری
بات ضرور منافقوں کی حالت کے ساتھ موافقت ومشابہت ہے

حدیث :- تلك صلوٰة المنافق يجلس يرقب الشمس
حتى اذا اصفرت وكانت بين قرني الشيطان قام فنقر اربعًا
لا يذكر الله فيها الا قليلا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ)

یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے
جب وہ پیلا پڑ جاتا ہے اور شیطان کے سینگوں کے درمیان ہوتا
یعنی غروب ہونے لگتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے،
اطمینان سے نہیں پڑھتا، بس تھوڑا سا ذکر کر لیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جان کر خواہ مخواہ نماز تاخیر کر کے
پڑھنا یہ نماز کی توقیر وعظمت کی کمی کی دلیل ہے، اس لئے اس کی یہ
حرکت عند اللہ ذلیل ہے جیسا کہ ٹھونگیں مارنے کے ساتھ تعبیر کرنے سے
ظاہر ہے، اور نماز کی وقعت وعظمت کی کمی منافقوں کا کام ہے،
اس لئے اس طرح نماز پڑھنا منافقوں کے ساتھ مشابہت ہے،

حدیث :- الجماعة من سنن الهدىٰ جماعت (نمازیں) ان سنن ہدیٰ میں

لا یتخلفھا الا منافق۔	سے ہے کہ جس سے پچھڑنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے۔
حدیث:۔ المنافق خب لئم۔	منافق دھوکہ باز اور کمینی حرکتیں کرنے کی وجہ سے کمینہ ہوتا ہے۔
حدیث:۔ البذاء والبیان شعبتان من النفاق۔	بیہودہ بکواس وفحش کلامی اور بے جھجکی و مشاقی سے بیان کرنا نفاق کے دو شعبے ہیں

اسی قسم کے بیان کرنے والے کہ بارے میں ایک روایت میں انما اخاف علی ھٰذہ الامۃ کل منافق یتکلم بالحکمۃ و یعمل بالجور۔ اور دوسری روایت میں اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان قال المناوی ای عالم بالعلم منطلق اللسان بہ لکنہ جاھل القلب والعمل فاسد العقیدۃ مغر للناس بشقاقتہ وتفصحہ وتقعرہ فی الکلام وقال المحشی الآخر۔ ای منطلق اللسان فی العلوم والفصاحۃ خال القلب من العمل بہ وانما خاف صلی اللہ علیہ وسلم علی امۃ منہ لانہ یفھم العلم یقتدی بہ الناس فیضلھم۔

معلوم ہوا کہ محض خوش بیانی اور تقریر کی مشاقی خواہ عوام

پسند ہو یا علمی تقریر ہو، جب تک اخلاق و اعمال کی درستی و اصلاح اور کمال ایمانی نہ حاصل ہو، کوئی ایسا کمال نہیں جو شریعت کی نگاہ میں مقبول و پسندیدہ ہو، بلکہ پسندیدہ تو درکنار ماہر بیان کو ایک قسم کا منافق فرمایا ہے۔

اس لئے طالب علم کو زمان طالب علمی میں استعداد بنانے کے ساتھ اعمال و اخلاق کی اصلاح جس کو اصلاح نفس اصلاح باطن کہتے ہیں، اس کی طرف توجہ زیادہ کرنے کی ضرورت ہے، تقریر و بیان کی مشق میں انہماک و اشتغال کی ضرورت نہیں۔

حدیث میں ہے ومثل الفاجر وفی روایۃ المنافق الذی یقرء القرآن کمثل ریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر (رواہ الشیخان)

کتاب الادب النبوی میں اس کی تشریح میں لکھا ہے وثالثھم فاجر او منافق لیس لہ من الایمان الا اسمہ ولا من الدین الا رسمہ یقرء القرآن ویجید حفظہ ویتقن طرقہ ویعرف قراءتہ وتوقیع الفاظہ ونغماتہ ولکن لا تجاوز التلاوۃ حنجرتہ ولا تعدو ترقوتہ فان بلوتہ تکشف لک عن قلب اسود وفواد مظلم وخلق مر وعمل ضر وھذا مثلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالریحانۃ ان شمت
فرائحتہ ذکیۃ وان ذقت فمرارۃ کذالک ھٰذا یقرء القرآن
فتستریح بہ النفوس کما تستریح للروائح العطرۃ ولکن
قلبہ ونفسہ منطویان علی السوء تذوق مرارتہ وتحس
قذارتہ ان عاشرتہ او عاملتہ ومثل ھٰذا لااثر للقرآن
فی نفسہ لان فجورہ ونفاقہ ختم علی قلبہ فلا توثر
نصیحتہ ولا تنجع معہ موعظتہ ۔

اس حدیث وشرح حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن پاک تجوید وقرات اور مخارج وصفات اور صحت الفاظ وحسن انداز سے قرآن پاک پڑھے اور دین وایمان کی تکمیل سے غافل رہے، جس سے اخلاق ومعاشرت ومعاملات فاسد اور خلاف شریعت رہیں اس کو منافق فرمایا ہے۔

یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو صرف تجوید اور لب ولہجہ کی آواز کے اتار چڑھاؤ کی مشق کو منتہائے کمال سمجھ بیٹھے اور شریعت کے احکام ظاہرہ وباطنہ کا نہ علم حاصل کرے اور نہ پابند عمل ہونے کی فکر کرے، بلکہ ظاہر اور باطن کو شریعت سے آزاد رکھے، ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی

تلاوت و قرارت کا اس کے باطن پر کوئی اثر نہیں پڑتا، دل سیاہ کا سیاہ ہی رہتا ہے جس کو بھی اس سے معاملہ یا معاشرہ کا اتفاق پڑتا ہے اس کے باطن کی گندگی اور تلخی کے سبب تکلیف پاتا ہے۔

طحطاوی علی الدر میں ہے شر الناس فاسق قرء کتاب اللہ و تفقہ فی دین اللہ و بذل نفسہ لفاجر اذا نشط تفکہ بقراءتہ فیطبع اللہ علی قلب القاری والمستمع۔ یعنی بدترین انسان وہ فاسق ہے جس نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اللہ کے دین کی باتیں خوب سیکھیں، لیکن اپنے نفس کو کسی فاجر کی خوشنودی میں صرف کیا ہو (یعنی ایک مخلوق کی رضا اس کے پیش نظر رہی)، جس وقت طبیعت میں ذرا نشاط ہوا تو کتاب اللہ تفکہ (یعنی محض تفریح کے طور پر) قرارت کرلی، پس حق تعالیٰ ایسے پڑھنے والے اور سننے والوں کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں (یعنی قرارت صرف لسان ہی تک محدود رہتی ہے قلب تک اس کا اثر نہیں پہنچتا) طحطاوی کے اس بیان سے واضح ہے کہ قرآن پاک اور علم دین حاصل کرنے میں رضاء الٰہی کی نیت کے بجائے غیر اللہ کی رضاء اور خوشنودی طلب کرنا بدترین چیز ہے۔

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ تفریح طبع اور جی بہلانے کی غرض سے خوش آوازی اور لہجہ کے ساتھ پڑھنا اور اس کا سننا دونوں ہی قلب پر برُا اثر ڈالتے ہیں، چونکہ کلام پاک کا بے محل استعمال اس کی بے ادبی ہے، جس کی نحوست یہ ہے کہ قلب کی صلاحیت باطل ہو جاتی ہے، جس کو قلب پر مہر لگا دینے سے تعبیر کیا ہے۔

حدیث میں ہے المنتزعات والمختلعات من المنافقات (نسائی) عقد نکاح کا اور ہر عقد کا تقاضا بناہ ہوتا ہے، جس میں تحمل و برداشت کی بڑی ضرورت ہوتی ہے، خلاف طبع بات پیش آنے پر ماتحتی سے نکل جانے اور آزادی کی راہ فرار اختیار کرنا شرعًا ناپسند اور قبیح ہے، اسی لئے ایسی عورتوں کو منافقات فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مدرسہ میں داخلہ ہو جانے کے بعد بعض باتیں بعض مدرسین یا اراکین کی طرف سے خلاف طبع پیش آجانے پر یا دوسری جگہ کچھ راحتیں سہولتیں، آسانیاں وغیرہ موافق نفس دیکھ کر سابق مدرسہ چھوڑ کر دوسرے مدرسہ چلے جانا بھی خلاف عہد، خلاف وفا ہو کر ان مذکورہ عورتوں کے مثل ایک قسم کے نفاق سے متصف ہونا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے مثل المنافق کالشاۃ العائرۃ الخ نفسانی اغراض وخواہشات کے غلبہ میں مغلوب ہوجانا بیقراری وبے سکونی بے چینی اختیار کر کے کبھی اِدھر کبھی اُدھر کبھی یہاں کبھی وہاں جانا، قرار وسکون ودلجمعی نہ رکھنا، میلان طبع کا مقابلہ نہ کرنا، طبیعت کو نہ روکنا، عقل وشریعت کو غالب نہ کرنا، کم ہمتی، بزدلی، بے صبری کرنا، انسانیت سے گری ہوئی بات اور حیوان مؤنث کی عادت اور منافقوں کی صفت اختیار کرنا ہے،

طالب علم کو چاہئے کہ ہر موقع پر وساوس وخیالات اور خلاف صبر خلاف مروت آنے والے میلانات ورجحانات پر عقل وشرع کے تقاضوں کو مستحضر کر کے ہمت بلند سے کام لے کر وساوس وفاسد خیالات سے بے التفاتی کام میں لایا کرے۔

حدیث۔ آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار۔ اس میں حضرات انصار صحابہؓ سے بغض رکھنا نفاق کی علامت بتلایا گیا ہے اور اس کے برخلاف یعنی ان سے محبت رکھنا ایمان کی علامت فرمایا ہے۔

نصوص قرآنیہ وحدیثیہ سے تمام ہی صحابہؓ کے ساتھ عظمت ومحبت کا واجب اور ضروری ہونا ثابت ہے، چنانچہ شرح مواقف

عقائد اسلامیہ کی مشہور و معروف کتاب میں ہے المقصد السابع انہ یجب تعظیم الصحابۃ کلھم والکف عن القدح فیھم لان اللہ عظیم و اثنیٰ علیھم فی غیر موضع من کتابہ ، ثم ذکر الآیات المنزلۃ فی الباب ثم قال ، والرسول صلی اللہ علیہ وسلم قد احبھم و اثنیٰ علیھم فی الاحادیث الکثیرۃ ۔

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم ۔

جمع الفوائد میں ہے لاتسبوا اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصفہ نیز اسی میں ہے فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فبغضی ابغضھم ۔

ایک حدیث میں ہے من سبّ اصحابی فقد سبّنی

ایک اور حدیث میں ہے فمن سبّھم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ولا یقبل اللہ منہ یوم القیمۃ صرفا ولا عدلا ۔

مسایرہ میں علامہ ابن ہمامؒ نے تحریر فرمایا ہے و اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ وجوبًا باثبات العدالۃ لکل منہم والکف عن الطعن فیہم والثناء علیہم کما اثنی اللہ تعالیٰ علیہم -

اس لئے تمام صحابہ کی عظمت و محبت لازم ایمان ہے، ترک عظمت و محبت، جرح قدح، طعن و اعتراض نفاق کی علامت ہے لہٰذا عام اہل ایمان کو بالعموم، علم دین حاصل کرنے والے حضرات کو بالخصوص تمام صحابہ کے ساتھ محبت رکھنا اور دل میں ان کی عظمت رکھتے ہوئے ان پر جرح قدح، طعن و اعتراض سے بچنا نہایت درجہ لازم و واجب ہے -

امور نفاق مذکورہ کی اجمالی فہرست یہ ہے عدم اہتمام صلوٰۃ عدم اہتمام جماعت، جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت اموال واقوال فحش گوئی و بے تہذیبی، محض لفاظیت و ادبیت، فصاحت بلاغت کو کمال سمجھنا، تفریح کے طور پر جی بہلانے کو کلام پاک کا لہجہ چلانا اخلاق و آداب نہ سیکھنا، شور و شغب کرنا، چیخنا چلانا، بڑوں کی ماتحتی سے نکلنا اور آزادی اختیار کرنا، بڑوں کے ساتھ استاذوں کے ساتھ بے وقعتی، بے احترامی، بے ادبی، گستاخی سے پیش

آنا، خلاف طبع بات کا تحمل نہ کرنا، اور استاذ کو یا مدرسہ ہی کو چھوڑ کر چلا جانا، معاہدہ قولی، فعلی، زبانی، تحریری کا لحاظ نہ رکھنا، اور غدر و بے وفائی کرنا، ریا، اور شو کی چیز اختیار کرنا، اپنی اصلاح سے غفلت کرنا۔

تقویٰ :۔ اخلاص کے ساتھ اس کی ضد نفاق کے بیان کے بعد عرض ہے کہ حقیقت علم حاصل ہونے کے لئے تقویٰ ایک بڑی شرط ہے، جس کی حقیقت، معاصی ظاہرہ و باطنہ کا ترک ہے لہٰذا اچھی طرح سمجھ لو، اور یاد رکھو کہ امور مذکورہ نفاقیہ اور کفریات، شرکیات، یہودیات، نصرانیات غرض ہر فسق و فجور اور جملہ معاصی و سیئات کا ترک ضروری ہے، اس کے علاوہ یعنی تقویٰ چھوڑ کر اگر ساری عمر بھی محنت و مشقت میں خرچ کروگے تو یہ علم نہیں آویگا اس طرح صحیح معنیٰ میں مولوی اور عالم نہیں ہوگا، چونکہ محض عربی جاننے والے کو مولوی، عالم نہیں کہا جاسکتا، چونکہ مصر، بیروت وغیرہ میں بہت سے عیسائی و یہودی عربی داں ہیں، حتیٰ کہ علوم اسلامیہ کے بڑے بڑے واقف مصر و بیروت کے علاوہ یوروپ میں بھی موجود ہیں، لیکن وہ مقتدائے دین ہرگز نہیں۔

غرض مولوی کہئے یا عالم باعمل، بغیر تقویٰ اختیار کئے نہیں

بن سکتا، اس لئے یا تو علم حاصل کرنے سے پہلے تقوی لے کر آؤ متقی بن کر علم حاصل کرو، ورنہ ساتھ ساتھ ہی نفس سے رذائل دور کرو، تب یہ دولت علم حاصل ہوگی۔

مطالعہ مطالعہ طلوع سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ ہیں نکلنا، اور باب مفاعلۃ کا ایک خاصہ ہے تعدیہ، یعنی متعدی بنانا، لہٰذا مطالعہ بمعنی نکالنا ہوا، ایک خاصہ باب مفاعلت کا مبالغہ ہے، اس اعتبار سے مطالعہ خوب خوب نکالنے کے معنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

اس لئے نقوش کتاب جو پہلے سے ذہن و دماغ پر مختلف وجوہ سے مخفی ہیں ان کے جاننے اور سمجھنے کے لئے مختلف قسم کا غور و فکر کرنا، اور فکر و سوچ کی محنتیں کرنا ضروری ہوگا، اول تو لغت اور صرف کے اعتبار سے سوچنا اور سمجھنا ہوگا کہ کیا صیغہ اور کیا معنیٰ ہیں دوسری محنت علم نحو اور ترکیب کے اعتبار سے دیکھنا اور سوچنا ہوگا کہ ترکیب میں کیا واقع ہے اور اعرابی لحاظ سے کس طرح پڑھا جائے تنوین کے ساتھ یا بلا تنوین، حرکات ثلثہ میں سے کس حرکت کے ساتھ پڑھنا صحیح ہوگا، تیسری فکری محنت یہ ہوگی کہ ماقبل ومابعد کے اعتبار سے ترجمہ کس طرح کرنا صحیح ہوگا، اور اس جگہ

اس کا کیا مطلب ہوگا، مصنف کیا بتلانا اور سمجھانا چاہتے ہیں تو مختلف احتمالات نکالتے ہوئے ان تینوں مرحلوں کو طے کرنے کا نام مطالعہ ہے، صرف کتاب کے نقوش پر نگاہ ڈال لینے اور بے سوچے سمجھے کیفما اتفق زبان سے تلفظ کر لینے کا نام ہرگز مطالعہ نہیں، اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے مطالعہ کیا جائے۔ اس کے لئے جتنا ذہن یکسو ہوگا اتنی ہی سوچ وفکر صحیح ہوگی،

○ اس طرح غور وفکر سے کام لینے میں طالب علم کو اوّل اوّل بہت تعب ومشقت محسوس ہوگی اور وقت زیادہ خرچ کرنے کے باوجود کام کی مقدار بہت کم ہوگی، یعنی کافی دیر میں ایک آدھ سطر حل ہوسکے گی، لیکن کرتے کرتے روز بروز قوت فکریہ میں تیزی و ترقی اور مقدار میں بھی روز بروز اضافہ اور زیادتی ہوتی چلی جائیگی نیز اس طرح مطالعہ کر کے سبق پڑھنے میں لطف اور مزہ بھی آتا چلا جائے گا، اور سبق ذہن نشیں اور محفوظ رہے گا، استعداد علمی حاصل ہونے کا اور ترقی کا ذریعہ یہی مطالعہ ہے، اس لئے اس پر محنت ضروری، سستی اور آرام طلبی کو اس پر قربان کر دینا چاہئے، اور حتی الامکان کوئی سبق بلا مطالعہ نہ پڑھے۔

پابندی حاضری درس درس میں حاضری پابندی اور دوام کے ساتھ ہو اور استاذ کی تقریر پوری توجہ کے ساتھ سنی جائے اور اچھی طرح سمجھنے کی کوشش ہو، درس کے علاوہ کسی بھی چیز کی طرف نہ نظر کرنا ہو نہ خیال لے جانا ہو، اس طرح پوری یکسوئی اور پورے دل و دماغ کے ساتھ استاذ کے کلام کا سننا ہو،

غرض محض جسم ہی کی حاضری کافی نہیں بلکہ جسمانی حاضری کے ساتھ دل و دماغ ذہن سب ہی حاضر ہوں تو کامل حاضری ظاہری بھی باطنی بھی ہو تو استاذ کے تکلم اور تلفظ کا اپنی اپنی فہم و عقل کے لحاظ سے مکمل فائدہ اور فیض ہوگا، درس میں حاضری دائمی ہو، ناغہ نہ ہونے دے کہ اس سے بڑی بے برکتی ہوتی ہے، ایک ناغہ سے سبق کے ماقبل مابعد کی مناسبت گم ہو جاتی ہے، طبیعت اچاٹ ہونے لگتی ہے، پھر شدہ شدہ عادت بھی ناغہ کی بن سکتی ہے اور اس ناقدری سے علم سے محرومی ہوتی ہے۔

تکرار استاذ کے پاس سبق پڑھ لینے کے بعد اس کو حتی الامکان قریبی فرصت میں دوبارہ دیکھنا یعنی استاذ کے سبق کا اعادہ کرنا یہ تکرار ہے، یہ نہیں کہ دوسرے طلبہ کے جمع ہو کر ہی سبق

کا اعادہ ہو، اس انتظار کی ضرورت نہیں اس جمع ہونے پر موقوف نہیں، اس کے بغیر خود ہی پڑھا ہوا سبق دوہرالینا بھی تکرار ہے، دیگر طلبہ شریک ہوجائیں فبہا ورنہ خود ہی دیکھ لیا جائے دوہرالیا جائے۔

یہ ہیں وہ تین کام جن کے متعلق حضرت والا فرماتے تھے کہ طالب علم تین کام کرے تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ اس کو کتابی علم آجائے گا، مطالعہ کی پابندی یعنی مطالعہ ہمیشہ اور برابر کرتے رہنا، اور سبق توجہ سے سننا اور تیسرے تکرار، یہ تین چیزیں طالب علم کے لئے نہایت ضروری اور فرض ہیں، اور ایک چوتھا کام یہ کرے جو مستحب ہے کہ کچھ آموختہ (پہلا پڑھا ہوا) روزانہ دیکھتا رہے۔

خلوت اور یکسوئی

طالب علمی کے منجملہ شرائط ایک شرط یہ بھی ہے کہ ذہنی و خارجی ہر طرح کی یکسوئی ہو، طرح طرح کے وساوس و خیالات سے ذہن خالی ہو، اختلاط غیر ضروری اور دوستانہ تعلقات اور فضول مجلس آرائی اور بہانہ بہانہ کہیں سفر کرتے رہنا، اخبار و جرائد اور ناولوں کا مطالعہ اگرچہ وہ تاریخی ناول ہی کہلاتے ہوں، یہ سب طالب علم کے لئے

ذہنی انتشار وخلجان کا باعث اور اس کی یکسوئی کے لئے سم قاتل اور مہلک ہیں، اس لئے اس قسم کے تمام وسائل وذرائع سے الگ رہے، چونکہ جس درجہ ذہن میں یکسوئی ہوگی، اسی درجہ مطالعہ اور درس وتکرار کا التزام اور اہتمام تام بالدوام ہوگا، اور ترقی علم کی راہ پا سکے گا، اور کامیابی کا دروازہ کھلوا سکے گا۔

استاذ کا ادب واحترام

جو طالب علم، علم کا قدر شناس اس کو نعمت عظمٰی دولت بے بہا یقین کرے گا، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت ہوگی تو یقیناً اس کے دل میں استاذ کی بھی عظمت ومحبت ہوگی، اس لئے کہ استاذ اللہ اور اس کے رسول ہی کی تعلیمات وہدایات کو شاگرد تک پہنچا رہا ہے اور شریعت وسنت کو دوسروں تک پہنچانے والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ فرمایا ہے، اس لئے استاذ کا ادب وتعظیم وہ درحقیقت رسول اللہ اور اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم اور ادب ہے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے مسلمان، اور عالم وحافظ قرآن اور بادشاہ عادل کی عزت کرنا خدا ہی کی تعظیم کی بات ہے۔

حضرت طاؤسؒ سے مروی ہے من السنۃ ان یوقر اربعۃ العالم وذو الشیبۃ والسلطان والوالد۔ بوڑھے مسلمان اور عالم اور بادشاہ عادل اور باپ کی توقیر و تعظیم سنت ہے، ایک اور حدیث مرفوع میں اہل علم کے استخفاف کو منافق کا کام بتلایا گیا ہے، علامہ شعرانی نے عہود محمدیہ میں لکھا ہے اخذ علینا العہد العام من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نکرم العلماء و نجلھم و نوقرھم ولا نری لنا قدرۃ علی مکافاتھم ولو اعطیناھم جمیع ما نملك او اخدمناھم العمر کلہ وھذا العہد قد قصر بہ غالب طلبۃ العلم والمریدین فی طریق الصوفیۃ حتی لا نکاد نری احدا منھم یقوم بواجب حق معلمہ۔ ھذا داء عظیم فی الدین موذن باستھانۃ العلم و بامر من امرنا باجلال العلماء صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ:۔ ہم لوگوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عام عہد اس بات کا لیا گیا ہے کہ ہم علماء کرام کا اکرام کریں اور اعزاز کریں اور تعظیم کریں، اور یہ کہ ہم میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان کے احسانات کا بدلہ ادا کریں چاہے ہم سب کچھ دیدیں اور خواہ مدت العمر ان کی خدمت کرتے رہیں، اس معاہدہ

میں بہت سے طلبہ و مریدین کوتاہی کر رہے ہیں، حتیٰ کہ ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنے استاذ کے حقوق واجبہ ادا کرتا ہو، یہ دین کے بارے میں ایک بڑی بیماری اور بڑا بھاری روگ ہے جس سے علم کی اہانت کا پتہ چلتا ہے اور اس ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کے ساتھ لاپرواہی کا پتہ چلتا ہے جس نے ہم کو اس کا حکم فرمایا ہے۔

دیکھئے علامہ شعرانیؒ نے استاذ کا حق کس قدر بھاری اور زبردست بتلایا ہے کہ اپنا سب کچھ دے کر یا عمر بھر خدمت کرتے رہنے پر بھی بدلہ نہیں اتر سکتا، چنانچہ ایک محقق کا ارشاد ہے۔ ؎

رأیت احق الحق حق المعلم ❊ واوجبہ حفظا علیٰ کل مسلم

لقد حق ان یھدی الیہ کرامۃ ❊ لتعلیم حرف واحد الف درھم

ترجمہ:۔ سب سے بڑا حق تو معلم کا ہے، جس کی رعایت تمام مسلمانوں پر فرض ہے، واقعی وہ شخص جس نے تم کو ایک لفظ سکھایا اس کا مستحق ہے کہ ہزار درہم اس کے لئے ہدیہ کئے جائیں (بلکہ اس کے احسان کے مقابلہ میں تو ہزار درہم کی بھی کوئی حیثیت نہیں)

بڑوں کا ادب کرنا ہمارے اکابر کا ایک خاص امتیازی نشان تھا، چنانچہ حضرت والاؒ سے ایک مطبع والوں نے حضرت شیخ الہندؒ

کے ترجمہ قرآن پاک پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی تھی تو اس پر حضرت نے فرمایا تھا کہ تقریظ لکھنا اسکا حق ہے جو ایکطرف مدح پر قادر ہو تو دوسری جانب اسکی قدح بھی کر سکتا ہو، اور ہم تو حضرت کے شاگرد ہیں۔ ہم تو انکی ہر چیز کی مدح ہی کریں گے، اگر ہم تقریظ لکھیں اور مدح کریں تو گویا اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ ہم قدح بھی کر سکتے ہیں، اور اس کا بھی حق رکھتے ہیں، اور اس بات کا قبیح و شنیع ہونا ظاہر ہے، چونکہ حضرت استاذ کی قدح گوشہ تصور میں بھی لانا سوء ادبی، بے ادبی خلاف ادب ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے جو کچھ بھی آتا ہے استاذ کے ادب کی بدولت آتا ہے، چنانچہ اگر کسی سے فارسی کتاب کا بھی سبق پڑھا تھا اس کا بھی ادب کرتے تھے نیز فرمایا جو شخص استاذ کی خدمت میں بے ادب ہوتا ہے اس کو علم نہیں آتا، اس لئے محققین کا قول ہے من لا ادب لہ لا علم لہ

اسی طرح علم کے تعلق سے ہر عالم و حافظ کا اور کتب علم کا، آلات علم کاغذ، قلم، دوات، رحل، تپائی وغیرہ کا مدرسہ کا درس گاہ کا ادب احترام بھی ضروری ہے۔

بعض ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ آداب وغیرہ سر آنکھوں پر، مگر اب وہ پہلے سے اساتذہ ہی نہیں رہے، اس لئے ہم ان

کے ساتھ کیسے ادب کا معاملہ کریں، عام طور پر اساتذہ بھی حرص وہوس وغیرہ بہت سی کمزوریوں میں مبتلا ہیں، اس لئے ان کی وقعت وعظمت کیسے ہو۔

سو یہ شیطانی وسوسہ ہے، اسلئے قابل التفات نہیں چونکہ ظاہر ہے کہ حدیث میں خود موجود ہے خیر القرون قرنی الحدیث جس کا مطلب یہ ہے کہ سب زمانوں میں بہترین زمانہ تو دور نبوی ہے اس کے بعد دوسرا زمانہ اس درجہ خیر و برکت کا نہیں ہوگا بلکہ اس سے کمتر ہوگا، اور اس کے بعد کا زمانہ اور بھی انحطاط اور تنزل کا ہوگا و ھکذا، تو جس قدر زمانہ نبوی سے بُعد ہوتا چلا جائیگا خیر و برکت بھی انحطاط پذیر ہوتی چلی جائیگی، تو بعد والے لوگوں کو سابقین پر قیاس کرنے اور ان کے معیار پر جانچنے کی خود اس حدیث میں ممانعت ہے، اور کیوں نہ ہو شیطانی فریبکاری کا دروازہ بند کرنا تھا شیطان اس قسم کے خیال دلا کر انسانوں کو بڑوں سے بدظن کر کے ان سے منقطع کرنا اور آزادی، خودرائی، خودروی میں ڈالنا چاہتا ہے تاکہ پھر ایک کو الگ الگ کر کے بھیڑئے کیطرح شکار کر سکے، پھر اس بُعد زمان خیریت نشان کا اثر اگر اساتذہ پر ہے تو خود تلامذہ پر اس سے زیادہ ہے چونکہ وہ خیر القرون سے اور بھی بعید العہد ہیں۔

فی الجملہ اساتذہ تلامذہ سے بہتر ہیں، اس لئے تلامذہ پر اساتذہ کے ساتھ حسن ظن اور حسن عقیدت واجب ہے، خصوصًا جبکہ فیض واستفاضہ اسکے بغیر نہیں ہو سکتا، چونکہ بدظنی، بدعقیدگی انقطاع فیض کا موجب ہے اس لئے مبدء فیاض سے فیوض پہنچنے کا راستہ مسدود ہو کر محرومی لازم ہے، فمن سقط سقط بترك العظمة والحرمة۔

اسی طرح بھولے بھالے سیدھے سادھے اساتذہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ان کے پاس ہے ہی کیا جس کی وجہ سے ان کا احترام اور ان کے ساتھ عاجزی اور پستی، تواضع وتذلل اختیار کیا جائے، یہ بھی شیطانی فریب اور اس کا مکر اور چال بلکہ جال اور پھندی ہے، اس میں پھانس کر نوجوانوں، ناتجربہ کاروں کو اور خودرائے، خودرو تلامذہ کو شکار کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس خیال سے بے التفات ہو جانا اور دماغ کو خالی کر لینا چاہئے، چونکہ استاذ کیسا بھی ہو مگر وہ مبدء فیاض سے آنے والے فیض کے لئے ایک واسطہ اور راستہ ہے، خدا تعالیٰ کی کوئی بھی نعمت براہ راست نہیں آتی، بلکہ یہ عالم اسباب ہے، اس میں ہر شئے سبب اور واسطہ کے ساتھ وابستہ ہے۔

لہٰذا جیسے نعمت کی قدر، شکر ضروری اور لازمی ہے کہ بے قدری وناشکری سے نعمت سلب ہو جاتی ہے، ارشاد ربانی ہے لَئِنْ

شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

اسی طرح واسطۂ نعمت، ذریعہ اور سبب نعمت کی بھی قدر اور اس کا شکر ضروری ہے، چونکہ واسطۂ نعمت کی بیقدری خود نعمت کی ناقدری کو مستلزم ہے، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے، من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ، پس دین کی نعمت جن واسطوں سے ہم کو پہنچی اور پہنچ رہی ہے، ان کا شکر، ان کا اعتراف محبت، ان کو بڑا محسن سمجھنا ان کی تعظیم و توقیر ان کی تحسین و توصیف امر لابدی ہے اسلئے جیسے والدین، نعمت وجود ناسوتی وحیاۃ دنیوی کا ذریعہ ہونے کے سبب ان کی شکر گذاری، قدر دانی ضروری ہے، اگرچہ وہ خود کفر و شرک میں بھی ملوث ہوں، ارشاد ربانی ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ وصاحبهما فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا، انکی بے ادبی، بے احترامی، ایذا رسانی حرام اور بالکل ممنوع ہے

اسی طرح استاذ بھی موجب حیات جاودانی اور ذریعہ ترقی روحانی ہے، پس اس کی بھی احسان شناسی، شکر گذاری، اور اسکو محسن سمجھنا ضروری اور لازمی ہے، وہ بھی بہر حال مستحق احسان اور قابل اعزاز و اکرام ہے، بے ادبی اور ایذا رسانی ناجائز اور حرام ہے، اور قدر شناسی، احسانمندی، شکر گذاری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اپنے اساتذہ کی تعلیم اور تربیت کا ذکر ان کی تحسین و توصیف

کرتا رہے، چونکہ شکر کا صدور تین طرح ہوتا ہے، دل میں عظمت و محبت پیدا کرنا، اعضاء و جوارح سے انکی خدمات بجالانا، زبان سے تعریف کرنا، زبان سے تعریف سب سے ہلکا اور آسان ہے، اسلئے جس نے تعریف نہیں کی، اس نے شکر ہی ادا نہیں کیا، چنانچہ وارد ہے ماشکر اللہ عبد لم یحمدہ، اور جس نے مدح اور تعریف کی یا کم سے کم اعتراف احسان، اعتراف نعمت ہی کیا، تو اس نے بہر حال کسی درجہ شکر کیا، چنانچہ حدیث میں ہے من اثنیٰ فقد شکر کہ جس نے تعریف کی اس نے شکر ادا کیا و من کتم فقد کفر اور جس نے تعریف نہیں کی اس نے ناشکری اور ناقدری کی، ایک اور حدیث میں وارد ہے التحدث بالنعمۃ شکر، اس سے ظاہر ہو گیا کہ استاذ پر اعتراض اور فقرہ کشی اور تنقیص و تعییب، الزام و تہمت تراشی اور بدنام کرنا، اسکی رسوائی اور فضیحت کا پروپگنڈہ سب حرام ہے، یہ آداب و احترام کی اہمیت اور ضرورت کا اجمالی و کلی بیان تھا، آگے سہولت فہم کیلئے بطور نمونہ چند آداب لکھے جاتے ہیں۔

ادب ۱:- استاذ کے آگے نہ چلے اسکی جگہ پر نہ بیٹھے، اسکے سامنے بلند آواز سے نہ بولے، اسکی منشاء معلوم کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہے، اور اسکے مطابق عمل کرے، حاصل یہ کہ استاذ کی مزاج شناسی اور اسکا لحاظ ضروری ہے، اگر استاذ کی طبیعت کسیوقت کسی سبب سے مکدر ہو تو اسوقت اس سے کوئی بات نہ پوچھے کسی اور وقت دریافت کرلے، استاذ کو دستک دیکر دروازہ کھٹکھٹا کر نہ بلائے بلکہ اسکے خود نکل آنے کا انتظار کرے۔

ادب :- استاذ کے پاس نہایت ادب سے بیٹھے جس سے تواضع اور خضوع وسکون مترشح ہوتا ہو، اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہے، کسی ساتھی کی طرف نہ دیکھے نہ اشارہ کرے نہ مسکرائے بغیر مجبوری دائیں بائیں اوپر نیچے نہ دیکھے، کوئی شورسن کر مضطرب نہ ہو اور ادھر متوجہ نہ ہو، استاذ کے پاس بیٹھا ہوا آستین نہ چڑھائے، ہاتھ، پیر، دامن، گھنڈی، بٹن سے نہ کھیلے، داڑھی اور منھ پر ہاتھ نہ رکھے انگلیاں نہ چٹخائے، ناک، کان، دانت نہ کریدے، زمین پر ہاتھ نہ رکھے نہ اس پر لکیر بنائے، کاغذ وقلم وغیرہ سے فضول کوئی حرکت نہ کرے، پیچھے کو جھکا ہوا نہ رہے، اس کی طرف پیٹھ یا پہلو نہ کرے، کسی چیز سے ٹیک نہ لگائے، تپائی وغیرہ کسی چیز پر ہاتھ ٹیک کر نہ بیٹھے، ہاتھ پر ٹیک وسہارا لگا کر نہ بیٹھے۔ زیادہ بات نہ کرے، بغیر مجبوری کے نہ کھنکارے نہ تھوکے نہ بلغم نکالے، چھینکے تو منھ چھپا کے، جمائی لے تو منھ نہ کھلے نہ آواز ہونے دے، اور بائیں ہاتھ کی پشت سے ڈھانک لے، اس کے سامنے پان کھا کر نہ آئے، اور درس میں اور بھی زیادہ خیال رکھے، حتی کہ کتاب کا ورق بھی زور سے نہ کھولے، نہ کتاب کو تپائی پر زور سے رکھے نہ زور سے بند کرے۔

ادب :- جس سے پڑھے اس کی محبت واطاعت وادب کا

بہت لحاظ رکھے، اس کے سامنے اپنے کو مٹادے یعنی اپنی شان وغیرہ بالائے طاق رکھ دے، اور ادب و اطاعت و خدمت اپنا شعار بنالے۔

ادب:- استاذ کے ساتھ حسن ظن رکھے لہٰذا اس کی روک ٹوک کو بُرا نہ سمجھے اور نہ چہرے پر شکن ڈالے نہ ملال و رنج ظاہر کرے، اور غصہ و ناراضگی کا تو کوئی حق ہی نہیں پہنچتا، غرض کوئی بھی بات خلافِ مزاج پیش آنے پر اپنی طبیعت کو قابو میں رکھے، اور اپنا دل بھی صاف رکھے، یہ خیال کرے کہ ان سے علمی و دینی نفع حاصل ہے، اسلئے اپنے ظاہر سے بھی کوئی بات خلاف ادب و احترام ظاہر نہ ہونے دے کہ اس سے استاذ کے دل میں تکدر و انقباض پیدا ہوجائیگا اور نفع کا دروازہ بند ہوجائیگا، چونکہ نفع کا مدار انشراح قلب اور باہم مناسبت کا ہوتا ہے، اور صورت مذکورہ میں دونوں ختم ہوجاتے ہیں۔

تنبیہ:- حسن ظن استاذ کے ساتھ ضروری ہے چونکہ بدگمانی سے دنیا میں فیوض و برکات سے محرومی اور آخرت میں بدگمانی کے وبال میں گرفتار ہونا ہے۔

ادب:- اگر خدانخواستہ استاذ کی شان میں کوئی بے ادبی، گستاخی، نافرمانی، ایذا رسانی ہوجائے تو فوراً نہایت عاجزی سے معافی مانگ لے، اور الفاظ معافی کا انداز بھی طلبِ معافی ہی کا ہو،

یعنی اعضار سے بھی عاجزی، انکساری، ندامت ہی ٹپکے، اگر دل میں ندامت ہوگی تولامحالہ اعضار سے ٹپکے ہی گی، اگر دل میں اس رنگ کی کمی ہو تو اصل نہ ہو تو نقل ہی سہی، لہٰذا بناوٹ کے طور پر عاجزی، انکساری کا لب ولہجہ بنائے تاکہ استاذ کے دل میں تکدر نہ رہے اور انقباض کے بجائے انشراح قلب ہو، تاکہ فیض و نفع کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔

ادب :- استاذ کوئی بات بتلاوے تو اس کے مقابلہ میں دوسرے کی بات بطور تردید نہ کہے، کہ فلاں یہ کہتے ہیں، اس میں اعتقاد واعتماد کی کمزوری ہے۔

ادب :- استاذ کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی اس کی غیبت کرے تو تم اس کی تردید کرو، اور استاذ کی حمایت کرو، اگر اس میں مجبوری ہو تو وہاں سے اٹھ جاؤ۔

یہ چند آداب نمونہ کے طور لکھ دیئے، طبیعت میں
سلامتی ہو تو باقی آداب بھی سمجھ میں آجائیں گے،

ہمارے اکابر واسلاف نے ہمیشہ اپنے اساتذہ واکابر کے ادب و احترام کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے، ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا ہمارے اکابر و اسلاف متقدمین کا ہر طرح نمونہ تھے، ذرا ان کا اس باب میں اپنے اساتذہ واکابر کے ساتھ برتاؤ دیکھیے۔ حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ میں نے

اپنے بڑوں کا ادب بہت کیا ہے، یہ جو کچھ حاصل ہے اسی کا نتیجہ ہے۔
مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنا برتا ہوا اور تجربہ کیا ہوا نسخہ ارشاد فرماتے
ہیں کہ علم کے حصول میں اس کو بہت دخل ہے کہ استاذ کا ادب کرے
حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے، جو کچھ مجھے آتا ہے استاذ
کے ادب کی بدولت آیا ہے، چنانچہ آپ نے اگر کسی سے فارسی کتاب
کا بھی سبق پڑھا تھا اس کا بھی ادب کرتے تھے، حضرت مولاناؒ نے یہ بھی
فرمایا کہ جو شخص استاذ کی خدمت میں بے ادب ہوتا ہے اس کو علم
نہیں آتا، من لا ادب لہ لا علم لہ۔

اصلاحی تعلق طالب علم کے لئے کسی شیخ مصلح سے اصلاحی تعلق
ہونا ضروری ہے، بغیر اس کے اخلاص کا حاصل ہونا
اسی طرح علم کے تمام شرائط و اصول کی پابندی کی توفیق دشوار و
ناممکن ہے، صالحین و مقبولین کی صحبت ہی سے اخلاص اور علم کے
خواص و اثرات و برکات نصیب ہوتے ہیں۔

یاد رکھئے! بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل بھی نہ ہو تو کم از
کم اپنے عیوب دکھائی دینے لگتے ہیں، اپنی غلطیاں محسوس ہونے لگتی
ہیں، قصور و خطا کا اقرار و اعتراف ہونے لگتا ہے جو نور فہم کی علامت
اور مفتاح سعادت ہے۔ اور بغیر اس کے خواہ الفاظ و نقوش کتب

حاصل ہو جائیں مگر ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، بالخصوص معتد بہ فائدہ۔

افسوس ہے کہ آج کل محض الفاظ و نقوش ہی کو بڑا کمال سمجھ لیا گیا، حالانکہ اس سے زعم ہی زعم آتا ہے نور فہم نہیں ملتا، نور فہم تو اہل اللہ سے تعلق بغیر نہیں مل سکتا،

حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ آجکل طلبہ نے خیال کر رکھا ہے کہ درسیات سے فارغ ہو کر پھر عمل کا اہتمام کریں گے، یہ بالکل شیطانی وسوسہ ہے جس کی وجہ سے عمر بھر بھی عمل کی توفیق نہیں ہوتی، یاد رکھو ہر چیز کا پہلی بار جو اثر ہوتا ہے وہ پھر نہیں ہوا کرتا، جب علم حاصل کرنے کے وقت کسی کام کا ثواب یا گناہ معلوم ہوتا ہے، اس وقت دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے، اگر اس اثر سے اس وقت کام لیا گیا اور عمل کا اہتمام کر لیا گیا تب تو اثر آیندہ باقی رہتا ہے ورنہ پھر قلب سے زائل ہو جاتا ہے، اور دوبارہ آسانی سے پیدا نہیں ہوتا۔

جب پڑھنے کے زمانہ میں تم احادیث و قرآن کی ورق گردانی کرتے چلے گئے، اور ترغیب و ترہیب کا اس وقت تمہارے دل پر اثر نہ ہوا تو آئندہ کیا امید کی جا سکتی ہے کہ تم اس سے متاثر ہو گے، جب پہلے ہی تم نے یہ خیال کر کے آنکھیں بند کر لیں کہ یہ وقت ان پر

عمل کرنے کا نہیں، تو عزیزمن یہ امید مت کرنا کہ درسیات سے فارغ ہوکر پھر اس کا کچھ بھی اثر تمہارے دل پہ ہوگا۔ جب تمہارے نفس نے پہلی ہی بات سے ٹال دیا پھر کیا اثر قبول کرے گا۔

آج کل طلبا نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یجوز لطالب العلم مالا یجوز لغیرہ، طالب علم کو وہ باتیں بھی جائز ہیں جو دوسروں کے لئے ناجائز ہیں، یہ نہ معلوم کونسی آیت یا حدیث ہے یا کس امام کا فتویٰ ہے؟ کچھ نہیں صرف نفس کی شیطنت ہے، یہ ہم نے مانا کہ طلبہ کو تحصیل علم کے وقت زیادہ نوافل اوراوراد کا پابند ہونا مناسب معلوم نہیں ہوتا، اور یہ بھی اس کے لئے جس کو مطالعہ کتب وغیرہ سے فرصت نہ ملتی ہو، مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ طالب علم کو حرام و حلال کا بھی خیال نہ کرنا چاہیئے، اور بے دھڑک جھوٹ، فریب، غیبت، شکایت، تکبر، حسد، عجب وریا وغیرہ کا ارتکاب کرلینا چاہیئے نماز کا بھی اہتمام نہ کرنا چاہیئے، صورت اور وضع میں بھی شریعت کی پابندی نہ کرنا چاہیئے۔

اسی طرح مخصوص طور پر بھی حضرت والاؒ کی وصیت طلبہ و اہل علم کے لئے موجود ہے، کہ "میں طلبہ اور اہل علم کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ نرے درس و تدریس پر نہ رہیں، کسی اہل اللہ سے اپنا

(اصلاحی) تعلق ضرور کرلیں"۔
یہاں تک حصولِ علم کے شرائط و اصول کے سلسلہ میں کلام ہوا، اب آگے موانع حصولِ علم کے متعلق عرض ہے کہ شرائط و اصول مذکورہ کے اضداد یعنی عدم اخلاص و فسادِ نیت، اغراض فاسدہ دنیویہ سے تحصیل علم میں مشغول ہونا، اسی طرح نفاقی امور اور معاصی ظاہرہ و باطنہ، اعمال سئیہ، اخلاق رذیلہ کا ارتکاب یعنی ترک تقویٰ، مطالعہ و درس و تکرار کا ترک یا ان میں کوتاہی و خلل واقع کرنا، اور خلوت و یکسوئی کے برعکس اختلاط اور غیر ضروری و مضر تعلقات و فضول مشغولیات اور استاذ کے ساتھ ترک ادب وعظمت و اطاعت اور اہل اللہ و مشائخ سے بے تعلق رہنا یہ سب موانع علم ہیں، اور تعلیمی مقاطعہ جس کو اسٹرائک کہتے ہیں - یہ مجمع الموانع یعنی سب موانع کا مجموعہ ہے، اس لئے اسی کو تفصیل سے بیان کردینا کافی اور ضروری ہے -

اسٹرائک کی حقیقت اور اس کی ممانعت و عدم جواز

مدارس عربیہ میں جو اسٹرائک کی جاتی ہے، اس کی حقیقت ایسی جماعت اور ایسے لوگوں سے قطع تعلقات ہے جو قطع تعلقات

کرنے والوں کے مُعلّم اور تعلیم دین میں معین و محسن ہیں، جن سے تعلقات قائم رکھنا شرعاً مامور بہ ہے، اور تعلقات مامور بہا کا قطع کرنا داخل فساد اور محل وعید اور شرعاً ممنوع و مذموم ہے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ أُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ۔

اس سے اس فاسد طریق اور بیہودہ رسم یعنی اسٹرائک کا مذموم اور ممنوع ہونا ثابت اور ظاہر ہوگیا، یہ اجمالی طور پر اسٹرائک کی حقیقت اور اس کا عدم جواز پیش کیا گیا۔

اسٹرائک کے عدمِ جواز کے دلائل

اب تفصیل سے اسٹرائک کے عدم جواز کی متعدد وجوہات کو دلائل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، تاکہ شرعاً اس کا حرام و ناجائز ہونا اچھی طرح واضح ہوجائے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسٹرائک کی حقیقت اہلِ مدرسہ سے مقاطعہ (بائیکاٹ) ہے، جس میں اہل اہتمام وانتظام اور اہل انتظام کا تمام عملہ ناظم مطبخ، ناظم دارالاقامہ، ناظم کتب خانہ، ناظم تعلیمات، اساتذہ و مدرسین سب شامل ہیں۔

اور یہ تمام اہل مدرسہ طلبہ کے لئے تحصیلِ علوم دینیہ میں معاون

ہیں، اگر ان حضرات کی اعانت نہ ہو تو آج کے ماحول میں تحصیل علم عادتاً ناممکن ہے، اگر ایک دو روز کے لئے صرف مطبخ کا نظام بگڑ جائے تو پھر دیکھئے کیا نوبت آتی ہے۔

اہل انتظام معاون فی العبادۃ ہیں

تعلیم دین اہم عبادات سے ہے اور یہ تمام معاونین معاون فی العبادت ہیں، اور بارشاد باری تعالیٰ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى اس کے محسن ہیں، اور اپنے محسن سے تعلق و محبت رکھنا عقلاً و نقلاً شرعاً و عرفاً ضروری ہے۔

نیز ارشاد نبوی ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ، یہ حکم احسانمندی و شکر گذاری تو ہر ایک کے لئے عام ہے، خواہ وہ استاذ ہو یا نہ ہو، پھر بالخصوص اساتذہ کرام کی محبت و عظمت، ادب و احترام تو اور بھی زیادہ لازم ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من علم عبداً آیۃ من کتاب اللہ فھو مولاہ، جو شخص کسی بندۂ خدا کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت بھی سکھا دیوے وہ اس کا آقا اور مالک ہے۔

اس حدیث شریف سے اساتذہ کرام کا کس درجہ حق ثابت ہوا ہے، نیز اس سے ادب و احترام کا مامور بہ ہونا بھی ثابت

ہورہا ہے۔

ماموربہ کا قطع کرنا ناجائز ہے

اورجب اس کا ماموربہ ہونا ثابت ہوگیا، تواب اگر خدانخواستہ ہم اس ماموربہ کے خلاف کریں گے تو وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ کی وعید کے مطابق قطع تعلق کرنے والوں اور فساد برپا کرنے والوں میں داخل ہوں گے، اور فتنہ وفساد برپا کرنے کی قباحت شریعت میں قتل سے بھی بڑھ کر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ، وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ، ان آیات واحادیث مذکورہ سے اسٹرائک کا ممنوع ومذموم ہونا ثابت ہوگیا۔

اب رہے اس کے مفاسد اور مضرتیں نیز عزیز طلبہ کیلئے موجب خسران اور علم دین کے لئے موجب حرمان ہونا، ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

اسٹرائک کی حقیقت جبر فی التبرع ہے

دیکھئے اسٹرائک کی حقیقت جبر فی التبرع ہے، اسٹرائک کرنے والے اپنے مطالبات کو منوانے کے لئے جبر وتشدد کی ایسی صورتیں اختیار کرتے ہیں کہ اہل مدرسہ

مجبور ہو کر ان کے مطالبات کو تسلیم کریں،

اس جگہ دیکھنا یہ ہے کہ طلبہ کے وہ مطالبات جن کے حاصل کرنے کے لئے یہ جبر واکراہ کا طریق اختیار کیا جاتا ہے، کیا کسی حق واجب سے تعلق رکھتے ہیں۔

کیا عزیز طلبہ کا کوئی حق اہل مدرسہ کے ذمہ واجب ہے کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے یہ جبر واکراہ کی صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔

حالانکہ یہ حقیقت بجائے خود مسلم ہے کہ استاذ، شاگرد اور ماں، باپ کے تعلقات میں ان کے ساتھ ایسے جبر واکراہ کا گستاخانہ طرز حقوقِ واجبہ کے حصول کے لئے بھی جائز نہیں ہے، مگر یہاں تو سرے سے کوئی حق واجب ہی موجود نہیں ہے، سب کچھ تبرع ہے، آپ نے مدرسہ میں کچھ دیا نہیں جس کا مطالبہ کر رہے ہیں اور جو حضرات مدارس میں دیتے ہیں، انھوں نے تخصیص نہیں کی کہ آپ ہی پر اس کو صرف کیا جائے لاعلی التعیین علی الاطلاق مدارس میں صرف کرنے کے لئے دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں سیدھی بات یہ ہے کہ اگر آپ کو اس مدرسہ کا نظام یا اساتذہ کرام پسند نہیں ہیں، کسی دوسرے مدرسہ میں علم حاصل کر لیجئے، یہ جبر واکراہ کیسا؟ -

منکرات کا ارتکاب پھراس جبری مطالبہ کے پورا کرانے کے لئے کیسے کیسے منکرات کا علی الاعلان ارتکاب کیا جاتا ہے جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا اصلاح کی یہی صورت ہوا کرتی ہے۔

اساتذہ واہل انتظام کو تقریروں اور اخبارات واشتہارات میں بُرا بھلا کہا جاتا ہے، غیبتیں کر کے ان کو بدنام کیا جاتا ہے، ایسا سلوک کرنا تو کسی بھی مسلمان کے ساتھ جائز نہیں، پھر بالخصوص اپنے محسنین اور اساتذہ کرام کے ساتھ تو ایسا برتاؤ کرنا اور بھی زیادہ بُرا ہے۔

شریک نہ ہونے والے طلبہ پر جبر اگر کوئی بیچارہ نیک طبع طالب علم ان امور سے یکسو رہنا چاہے، ان میں شرکت نہ کرے تو اس پر بھی جبر کیا جاتا ہے، درس گاہوں میں جانے سے روکا جاتا ہے، مار پیٹ کی جاتی ہے، خود کو وفادار قوم وادارہ خیال کیا جاتا ہے، اور جو طلبہ ان کے ساتھ موافقت نہ کریں ان کو قوم وادارہ کا غدار وبے وفار کہا جاتا ہے، کس قدر عجیب برعکس معاملہ اور الٹی منطق ہے۔

الغرض شریک نہ ہونے والے طلبہ کو ہر قسم کا ضرر پہنچایا جاتا ہے

جب تک مدرسہ بند رہتا ہے، ان کی بھی ہر قسم کی مالی امداد بند ہو جاتی ہے، اور سب سے بڑا نقصان تعلیم کا ہوتا ہے ۔ چونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اہلِ مدرسہ کو مجبوراً مدرسہ ہی بند کر دینا پڑتا ہے، اس سے جو تعلیمی نقصان شریک نہ ہونے والے طلبہ کا ہوتا ہے اس کا گناہ بھی اسٹرائک کرنے والوں پر ہوتا ہے، جس سے یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی وعید کے مورد بنتے ہیں، اور اس طرح دوسرے طلبہ کو دینی ضرر پہنچا کر ارشاد نبوی لاضرر ولاضرار فی الاسلام کی خلاف ورزی کرنے والے بھی بنتے ہیں،

نیز اسٹرائک کے ہنگامی حالات میں اس مقاطعہ کو ختم کرانے اور مدرسہ کی املاک اور کتب خانوں کی حفاظت کی خاطر بعض دفعہ ایسے حالات سامنے آجاتے ہیں جس کے سبب پولیس سے استمداد ناگزیر ہو جاتا ہے، جس سے ان دینی اداروں کی عظمت وشان کو زبردست نقصان پہنچتا ہے، اور بعض حالات میں تو خود ان مدارس کا وجود ہی خطرہ میں پڑ جاتا ہے، جس کا ضرر تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔

ناجنس لوگوں سے اختلاط واستمداد

پھر اسٹرائک کے سلسلہ میں غیر علم

دوست لوگوں کا تعاون باظہار ہمدردی حاصل ہو جاتا ہے، جس سے بجائے ہمدردی کے ہمہ دردی کا ظہور ہو جاتا ہے، جن سے مدد لی جاتی ہے بعض اہل غرض ایسے ہوتے ہیں جو ہمدردی کے نام پر طلبہ کے ذریعہ ان دینی اداروں میں اپنا دخل پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

کچھ اخبارات والے ہوتے ہیں وہ خوب غلط سلط بیانات کی اشاعت کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس سلسلہ میں بعض مسلم دشمن اخبارات سے بھی مدد لی جاتی ہے۔

غلط خبروں کی اشاعت

عام لوگ ان غلط بیانات کو پڑھ کر غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں جس سے ان لوگوں کا دینی اداروں کے ساتھ جو حسن اعتقاد ہوتا ہے وہ ختم ہوتا ہے، اور اس طرح ان دینی اداروں کی ساکھ کو زبردست دھکا لگتا ہے، اور عامۃ المسلمین کا بھی زبردست دینی نقصان ہوتا ہے۔

فسادی عنصر اور عام طلبہ کی سادہ لوحی

طلبہ کے اندر ہی کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو درحقیقت طالب علم نہیں ہوتے مگر طالب علمی

کرتے ہیں، یعنی طالب علموں میں نام لکھا کر مدرسہ میں رہتے ہیں اور کچھ نام چارہ کو طالب علمانہ رسومات درس گاہ میں جانا، درس میں شریک ہو جانا وغیرہ کر لیتے ہیں، غرض زمرۂ طلبہ میں داخل و شامل رہتے ہیں، لیکن طالب علم کے لوازم و آثار سے خالی و ناآشنا رہتے ہیں، چنانچہ حضرت والا قدس سرہٗ نے ایک طالب علم کی چوری پر داروغہ صاحب کے اس کہنے پر "کہ تعجب ہے کہ عربی کے طالبعلم بھی چوری کرتے ہیں" طالب علم ہونے کی نفی فرما دی تھی، اور ارشاد فرمایا تھا کہ نہیں، طالب علم چوری نہیں کرتے، داروغہ نے کہا کہ ہمارے پاس اس کے ثبوت میں رپورٹ موجود ہے، ارشاد فرمایا کہ طالب علم تو چوری نہیں کرتے ہاں چور طالب علمی کرتے ہیں،

اس سے ثابت و ظاہر ہو گیا کہ ایذا رسانی و فتنہ سامانی، ناحق شناسی و اتلاف حقوق، طالب علم کا کام نہیں، یہ تو وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں پڑھنے لکھنے سے کوئی سروکار نہیں، کوئی واسطہ مطلب نہیں ہوتا۔

یہ طبقہ کسی ایک واقعہ کو لے کر جس سے عام ہیجان پیدا ہو جائے ایک ہڑبونگ پیدا کر دیتا ہے، اور ہمارے عزیز عام طلبہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر ان کے اس ہڑبونگ کی رَو میں بلا تحقیق بلکہ خلافِ

تحقیق بہ جاتے ہیں، حالانکہ یہ شرعی اصول کے بالکل خلاف ہے جیساکہ آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ سے ظاہر ہے، کہ اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے جس میں کسی کی شکایت ہو تو بدون تحقیق کے اس پر عمل مت کیا کرو بلکہ اگر عمل کرنا ہو تو خوب تحقیق کرلیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے ضرر پہنچادو۔ (بیان القرآن)

آگے حضرت والا تحریر فرماتے ہیں، اور اس خبر سے مراد مطلق خبر نہیں ہے بلکہ جس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو، بقرینہ ان تصیبوا الخ تو محتمل الفسق و مقطوع الفسق دونوں کی خبر غیر مقبول ہے۔

لہٰذا ایسی خبروں کو قبول و تسلیم کر کے دھوکہ اور غلطی میں کیوں مبتلا ہوا جائے، مومن کی یہ شان ہے کہ نہ وہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی سے دھوکہ کھاتا ہے، لہٰذا مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی کے دھوکہ میں آجائے، خصوصاً طلبہ علوم دینیہ کے لئے تو اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے کہ وہ اس قسم کی عام رو میں بلا سوچے سمجھے بہ جائیں، نہ واقعات پر غور کریں، نہ اسٹرائک کرنے والوں کی اغراض فاسدہ پر نظر کریں، نہ انجام و مآل کو مدنظر رکھیں

نہ احکامِ شرعیہ کا لحاظ کریں۔

بلا تحقیق کسی نئی خبر پر نہ عمل کیا جائے نہ شہرت دی جائے

حالانکہ ایسے مواقع پر شرعی حکم یہ ہے کہ جب کوئی اس قسم کی نئی خبر آوے تو بلا سوچے سمجھے نہ اس کو مشہور کیا جائے نہ تسلیم کیا جائے اور نہ اس پر عمل کیا جائے، بلکہ اہلِ انتظام کے پاس اس قسم کی خبر کو پہنچایا جائے، اب وہ حضرات اس خبر کی تحقیق کے بعد جو کچھ فیصلہ کریں وہ تسلیم کیا جائے جیسا کہ اس ارشادِ خداوندی سے ثابت ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز بیان القرآن میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اور جب ان لوگوں کو کسی امر جدید کی خبر پہنچتی ہے خواہ وہ امر موجب امن ہو یا خوف ہو تو اس خبر کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ بعض اوقات وہ غلط نکلتی ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تب بھی بعض اوقات اس کا مشہور کرنا خلافِ مصلحتِ انتظامیہ ہوتا ہے

اور اگر بجائے خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور جو حضرات اکابر صحابہ ان میں سے ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کی رائے کے اوپر حوالہ رکھتے اور خود کچھ دخل نہ دیتے تو اس خبر کی صحت وغلط اور قابل تشہیر ہونے نہ ہونے کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں سے اس کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں، جیسا کہ ہمیشہ پہچان ہی لیتے ہیں، پھر جیسا یہ حضرات عمل درآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اڑانے والوں کو کرنا چاہئے تھا، ان کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہوئی اور نہ دخل دیتے تو کونسا کام اٹک رہا تھا۔

(بیان القرآن)

اس آیت کریمہ سے نہایت وضاحت کے ساتھ ایسے مواقع کے لئے حکم شرعی معلوم ہوگیا کہ ایسی خبر کو مشہور کرنے یا اس پر عمل کرنے سے قبل اس کو اہل فہم وبصیرت ارباب حل وعقد کی خدمت میں پیش کرنا چاہئے، اور پھر ان کے فیصلہ کے مطابق اس خبر کے بارے میں عمل کرنا چاہئے۔

اگر خدانخواستہ ایسا نہ کیا جائے گا بلکہ ازخود ایسی خبروں کو اڑاکر ان پر عمل کیا جائے گا تو اتباع ہوائے نفس واتباع شیطانی میں داخل اور حق تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے محروم ہوں گے۔

چنانچہ اس اصول شرعی کے مطابق اسٹرائک کے موقع پر غلط خبروں کو سن کر عمل کرنے کے بجائے اگر ارباب حل وعقد کی اتباع کی جائے، اور وہ لوگ جو کچھ ایسی خبروں کو سن کر فیصلہ کریں، اس کے مطابق عمل کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ جہاں سے فتنہ اٹھے وہیں اس کا سدّباب ہو جائے، اس کو پھیلنے کا موقع نہ ملے اور ضرر سے محفوظ رہیں۔

جمعیۃ الطلبہ کا مقصد

اسٹرائک کے موقع پر اکثر جمعیۃ الطلبہ کی منظوری کا مطالبہ سب سے مقدم ہوتا ہے، جو لوگ اسٹرائک میں پیش پیش ہوتے ہیں وہی لوگ جمعیۃ الطلبہ کے عہدیدار بنتے ہیں، جس کا حاصل سوائے جاہ طلبی کے اور کچھ نہیں ہوتا، جو تحصیل علم میں نہایت مخل اور مضر ہوتی ہے جیساکہ تجربہ مشاہدہ ہے۔

چونکہ جمعیۃ الطلبہ کا جو مقصد بیان کیا جاتا ہے، یعنی تقریر وتحریر کی مشق، وہ اساتذہ کرام کی نگرانی میں بھی ہوسکتی ہے اس کے لئے جمعیۃ الطلبہ کی کیا ضرورت ہے، جب تعلیم کا تمام انتظام مدرسہ کی طرف سے ہوسکتا ہے تو تقریر وتحریر کی مشق کا بھی حسب ضرورت انتظام ہوسکتا ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر علمی استعداد پختہ ہو تو پھر تقریر وتحریر کے لئے چنداں مشق کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ ہمارے اکابرین جن کی تصانیف اور تقاریر سے ایک عالم فیضیاب ہوا ہے انھوں نے کہاں کسی جمعیۃ الطلبہ کے تحت مشق کی تھی۔

پس اصل ضرورت اس کی ہے کہ علمی استعداد پختہ ہو، اپنے اساتذہ کرام کا ادب واحترام ملحوظ ہو تو پھر تمام تقریر وتحریر کے کمالات اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرما دیتے ہیں۔

اساتذہ کرام کی بے ادبی کا انجام

اور اگر خدا نخواستہ اساتذہ کی بے احترامی کی جائے پڑھنے لکھنے کے بجائے ان فتنوں میں اپنا وقت ضائع کیا جائے تو ایسی صورت میں اگر کچھ لکھنا پڑھنا اور بولنا آ بھی گیا، تو وہ سب بیکار ہوگا، ایسوں کی تقریر وبیان میں مغز نہیں ہوتا، بس پوست ہی پوست ہوتا ہے۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جو طلبہ اس قسم کی شورش پیدا کرتے ہیں، اور اپنے اساتذہ کرام کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، ان سے کبھی دوسروں کو دینی نفع نہیں پہنچتا اور نہ خود انھیں اپنے علم کا نفع حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح گویا پوری زندگی انھیں اس بے احترامی اور ہنگامہ آرائی کے خسارہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس سے بڑھ کر بھلا کیا نادانی ہوگی کہ آدمی نفس و شیطان کے دامِ فریب میں آکر اپنی ساری دین و دنیا کا خیر ضائع کردے، اور سراپا خسران و حرمان ہوجائے —— اعاذنا اللہ منہ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسٹرائک کی حقیقت جبر فی التبرع احسان فراموشی، اساتذہ کرام کی بے ادبی اور توہین، اہل انتظام پر اتہام و الزام، دینی اداروں میں شر و فساد پھیلانا اور ان کی عظمت و شان کو خاک میں ملانا اور ان کے وجود کو خطرہ میں ڈالنا اور دوسرے بندگانِ خدا کو ان اداروں سے بدگمان کرکے ان کو بھی ان کے دینی نفع سے محروم کرنا ہے۔

اور ان تمام امور کا جن کے مجموعہ کا نام اسٹرائک ہے، ناجائز ہونا مختلف دلائل سے بحمداللہ تعالیٰ بالتفصیل بیان کردیا گیا۔

چند بنیادی امور

اسٹرائک کے شرعًا ناجائز ہونے اور اس کی قباحتوں کو بیان

کرنے کے بعد اب چند تمہیدی امور ذکر کئے جاتے ہیں، جن سے اسٹرائک کی حقیقت اور اسٹرائک کرنے والوں کی اغراض فاسدہ نیز اس کے دینی نقصانات کو اچھی طرح سمجھا جا سکے۔

تمہیدی امور کے ذکر کرنے کے بعد پھر انشاء اللہ تعالیٰ اسٹرائک کے سلسلہ میں پیش کئے جانے والے دلائل مع جوابات ذکر کئے جائیں گے، ان تمہیدی امور کی روشنی میں انشاء اللہ تعالیٰ وہ جوابات بھی اچھی طرح سمجھے جا سکیں گے۔

اصل مرض

بات دراصل یہ ہے کہ آج کل اسٹرائک کی جو وبا ہمارے مدارس عربیہ کے عزیز طلبہ میں آئی ہے اس کی اصل وجہ تو وہ آزادی ہے، جو ہمارے ان دینی اداروں میں آگئی ہے، اور برابر چلی آرہی ہے۔

اور جس رفتار سے یہ آزادی کا مرض طلبہ میں آرہا ہے، اس پر نظر رکھتے ہوئے جب اس کے علاج پر نظر کی جاتی ہے تو مرض کے اعتبار سے اس سے آدھا بھی مرض کا علاج نظر نہیں آرہا ہے، اسلئے مستقبل کے بارے میں اور زیادہ فکر ہے کہ آخر اس آزادی کا انجام کیا ہوگا۔

لباس کی آزادی، شکل وصورت کی آزادی، اخلاق وکردار کی آزادی فکر وذہن کی آزادی، اور جدت پسندی نے حال تباہ کر دیا ہے،

اسی آزادی کے ماحول میں اسٹرائک کا یہ مہلک مرض پیدا ہوا ہے اور برابر بڑھ رہا ہے، اس لئے اس مہلک مرض کے علاج کے لئے شرعاً وعقلاً اسٹرائک کی قباحت ومذمومیت کو بحمداللہ تعالیٰ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اور اب چند رہنما اصول کے عنوان کے تحت چند تمہیدی امور کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اور اس کے بعد ان وجوہ پر کلام کیا جائے گا، جن کو بطور دلائل پیش کر کے اسٹرائک کیلئے وجہ جواز بنایا جاتا ہے، اور شرعاً وعقلاً ان کا تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔

اس طرح اس ذیل میں اسٹرائک کے مرض کے اسباب وعلل بھی سامنے آجائیں گے، جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا اور ان کے دفعیہ کا طریق بھی معلوم ہو جائے گا۔

تاکہ پھر چند مٹھی بھر لوگ طلبہ کے جم غفیر کو ان دلائل سے گمراہ نہ کر سکیں، اور اس کے علل واسباب جان کر حسب مرض علاج ہو جایا کرے۔

چونکہ واقعہ یہ ہے کہ اور دوسرے فتنوں کی طرح اس اسٹرائک کے فتنے کو بھی محض ایک طبقہ اپنی اغراض فاسدہ کے حصول کیلئے کھڑا کرتا ہے، تمام طلبہ اس کے بانی نہیں ہوتے بمشکل ایسے لوگ

دس فی صد ہوتے ہیں، جو اس ہڑبونگ کو کھڑا کرتے ہیں، ایسے موقع پر ہمارے دوسرے طلبہ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سنجیدگی اور فراست کے ساتھ معاملہ فہمی، مردم شناسی اور موقع شناسی سے کام لیں، اور ان لوگوں کے دھوکہ میں نہ آئیں جو ان فتنوں کو کھڑا کر کے اپنی اغراضِ فاسدہ کو پورا کرتے ہیں۔

مگر ایسے وقت میں جب کہ نہایت فہم و فراست سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے عزیز طلبہ کی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ وہ وقتی جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہیں، اور چند مسحور کن نعروں کا جادو اور مغالطہ آمیز سطحی دلائل کا فریب انھیں بھی غلط راہ پر ڈال دیتا ہے اسی لئے رہنما اصول کے بعد ان دلائل پر کلام کیا جائے گا، جو ایسے مواقع پر پیش کیے جاتے ہیں، تا کہ ان کی مغالطہ آمیزی ظاہر ہو جائے، اور ایسے وقت میں ہمارے عزیز طلبہ پوری فہم و فراست موقع شناسی، مردم شناسی اور عاقبت اندیشی سے کام لیں، اور اس فتنے کی چنگاری کو جہاں سے اٹھے وہیں دبا کر ختم کر دیں اور غور و فکر سے کام لے کر اس شر و فساد کی اصل حقیقت سمجھیں کہ کیا ہے۔

الغرض دلائل اسٹرائک پر کلام کرنے سے پہلے ہم یہاں پر چند

ایسے بنیادی امور کی نشاندہی کرتے ہیں، جن پر نظر کرنے سے اسٹرائک کے فتنے کو سمجھنے اور اس سے بچنے میں عام طلبہ کے لئے رہبری ہو، غور سے ملاحظہ فرمادیں۔

چند رہنما اصول

یہ گیارہ اصول ہیں ان کو بہت دھیان کے ساتھ ملاحظہ فرماویں

طالبعلم کا اصل مقصود طلب علم ہے

طالب علم کا اصل مقصود علم دین حاصل کرنا ہے اور اس کے لئے امن وسکون کے ساتھ مدرسہ کے نظام تعلیم کا جاری رہنا ضروری ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ بڑے نقصان سے بچنے کے لئے چھوٹا نقصان برداشت کرلیا جاتا ہے اذا ابتلیت بلیتین فاختر اھونھما۔

لہٰذا اگر مدرسہ میں کچھ واقعی تکالیف ہوں، نظام میں خامیاں ہوں، ایسی صورت میں اگر ان کی اصلاح کے لئے اسٹرائک کی جاتی ہے تو مدرسہ کا سارا نظام تعلیم معطل ہوجاتا ہے۔

جس سے تعلیم کا بڑا بھاری نقصان ہوتا ہے جو کہ ناقابل برداشت ہے، اس کے مقابلے میں وہ تکالیف جن کو اسٹرائک کی

بنا قرار دیا جاتا ہے، انھیں برداشت کیا جا سکتا ہے، پھر اصلاح ور فع شکایت کی بھی اکثر امید ہوتی ہے، اس وقت نہیں تو ممکن ہے دوسرے وقت اس شکایت کی تلافی اہلِ مدرسہ کی طرف سے ہو جائے، مگر اس کے بالمقابل اسٹرائک میں اہل مدرسہ و اساتذہ کرام کے ساتھ جو مقابلہ آرائی کی جاتی ہے وہ آداب مدرسہ اور قانون مدرسہ اور عظمت و احترام اساتذہ کے بالکل خلاف و متضاد ہے، اس سے جو نقصان ہوتا ہے وہ ناقابل تلافی ہے، چونکہ اس سے طالب علم ہمیشہ کے لئے علم کے فیوض و برکات سے محروم ہو جاتا ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

لہٰذا دور اندیشی و دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ علم سے محرومی کے بڑے نقصان سے بچنے کے لئے وقتی تکالیف کو برداشت کر لیا جائے۔

اسٹرائک کے بعد کیا ہوتا ہے

پھر یہ ہڑبونگ مقابلہ آرائی اور طلبہ کے اظہارِ غلبہ کا ماحول جس میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ گویا سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے صرف ہفتہ عشرہ رہتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے، اس ماحول کے ختم ہو جانے کے بعد پھر طلبہ کو انھیں اہل اہتمام و اساتذہ کرام سے

سابقہ پڑتا ہے، جن کے ساتھ گستاخی ومقابلہ آرائی کا برتاؤ ہوتا ہے اس وقت معافی نامے داخل کیے جاتے ہیں، برأت نامے لکھے جاتے ہیں، ایسی حالت میں ہمارے عزیز طلبہ اگر بقولِ حکیم

ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

پہلے ہی انجام پر نظر کر لیا کریں تو انشاء اللہ کبھی بھی وہ اس وقتی اور سطحی پُرفریب ماحول کی رو میں بہہ کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔

۳ ہر ایک نظام میں کچھ خلاف طبع امور برداشت کیے جاتے ہیں

عزیز طلبہ کو ایسے وقت میں سوچنا چاہیے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ چند لیڈر طلبہ مدرسہ نہیں چلا سکتے، نہ قوم کا ان پر اعتماد ہے، ان کے بس میں تو صرف اتنی ہی بات تھی کہ ایک چلتے ہوئے نظام میں خلل ڈال دیا، نظام کو چلانا ان کے بس میں نہیں ہے، یہ لوگ ایک دن بھی مدرسہ نہیں چلا سکتے، اور تعلیم مدرسہ کے نظام کے چلتے رہنے پر موقوف ہے۔

لہٰذا اگر کچھ وقتی طور پر شکایات ہوں بھی تو وہ تعلیمی مفاد اعلیٰ کے لئے برداشت کی جا سکتی ہیں، آخر دنیا کا ایسا کونسا ماحول ہے، جس میں کچھ خلاف طبع باتیں پیش نہیں آتیں، مگر حصول

مقصد کے لئے انھیں برداشت کیا جاتا ہے ۔

خود آدمی اپنے گھر پر کتنی ناگوار باتوں کو برداشت کرتا ہے، بیوی مرضی کے مطابق نہیں، اولاد خراب ہے، مگر وہاں آدمی صبر کرتا ہے ۔ حالات سے مجبور ہو کر ان تمام تکلیف دہ باتوں کو برداشت کرلیتا ہے چلئے یہ تو مدرسہ ہے ہمیں یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔ ہمیں اپنے کام سے کام۔ ہمارا کام پڑھنا ہے ہم اس میں مصروف رہیں اور صبر و حلم استقلال و ہمت سے کام لیں۔ ہم دوسروں کی اصلاح کی فکر میں اپنی متاعِ علم کو کیوں ضائع کریں ۔

اگر مدرسہ میں وقتی طور پر ہماری مرضی کے مطابق اصلاح بھی ہوگئی، مثلاً کسی ملازم کو ہٹادیا گیا، کوئی کتاب ہماری مرضی کے مطابق دوسرے استاذ کے پاس بدل دی گئی، یا اور کوئی اسی قسم کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا یا کوئی تکلیف رفع کردی گئی، تو دیکھنا یہ ہے کہ اس اصلاح کے بدلے ہمیں کیا ملا، ہمارا تو تمام پڑھا پڑھایا ضائع ہوگیا، کیا وہ بھی کوئی عقلمند ہے جو دوسروں کی اصلاح کی فکر میں اپنی پوری متاع گرانمایہ کو ضائع کردے

قائد اسے بنایا جائے جو منزل مقصود تک پہنچاسکے	عقل وفہم عاقبت اندیشی

اور موقع شناسی کا یہ تقاضا ہے کہ آدمی ایسے شخص کو اپنا رہبر بنائے جو منزلِ مقصود تک پہنچا سکے، اس اصول کے مطابق غور کیجئے کہ کیا اسٹرائکی لیڈر ہمیں اپنی منزل مقصود تک پہنچا سکتے ہیں؟ جب آپ فہم و تدبر سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ تو بیچارے وقتی جذبات کی رو میں بہ کر خود ہی اپنی منزلِ مقصود یعنی تحصیل علم دین سے کوسوں دور ہیں، پھر بقول شاعر

آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند

وہ ہماری کیا رہبری کر سکتے ہیں، وہ تو صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ تحصیل علم کی منزل پر چلنے والوں کی راہ کھوٹی کر دیں، اور اصل منزل سے ہٹا کر ایک لق و دق میدان میں لا کر آپ کو چھوڑ دیں۔ اس کے علاوہ وہ حضرات آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکتے، بارہا کے تجربات اس پر شاہد ہیں۔

۵ کوئی بھی نظام ہر ایک کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتا

یہ امر مسلم ہے کہ کوئی نظام خواہ کتنا ہی درست اور ٹھیک ہو مگر پھر بھی وہ سب کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتا، ضرور اس میں بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بعض کو ناگوار ہوتی ہیں، حالانکہ وہی چیزیں

دوسرے لوگوں کے لئے پسندیدہ ہوتی ہیں۔

ایسی حالت میں کسی ناگوار امر کا انتظامی سلسلہ میں پیش آجانا ایک فطری امر ہے، جس سے کسی نظام کا عادتاً خالی ہونا ناممکن ہے، چونکہ اصول وقوانین مفادِ عامہ کا لحاظ رکھ کر وضع کئے جاتے ہیں، ان میں کسی خاص شخص کے فوائد کو مدنظر نہیں رکھا جاتا، ایسی صورت میں ہمارے عزیز طلبہ کو غور کرنا چاہئے کہ یہ مدرسہ ایک ادارہ ہے، اس کے نظام کے مختلف شعبے ہیں مختلف مزاج اور طبائع کے لوگ، مختلف امور تعلیمی وانتظامی کی انجام دہی کے لئے مقرر ہیں، اتنے بڑے نظام میں اگر کچھ خامیاں بھی ہوں یا بعض حضرات کی ذاتی کمزوریاں ہوں، تو وہ گو قابلِ اصلاح ضرور ہوتی ہیں، مگر ساتھ ہی اصلاح ہونے تک قابلِ برداشت بھی ہوا کرتی ہیں، ان کمزوریوں کی وجہ سے کسی نظام کو بالکل بیخ وبنیاد سے اکھاڑ کر نہیں پھینکا جاسکتا۔

خدانخواستہ اگر یہی قاعدہ بنالیا جائے کہ جس نظام میں کوئی ذرا خامی ہو، اسے بالکل ختم کردیا جائے تو کوئی دینی ادارہ یا جماعت یا دنیا کا کوئی بھی نظام ایک منٹ کے لئے بھی نہیں چل سکتا۔

کسی نظام کو چلانے کی خاطر لامحالہ اس کی کچھ خامیوں اور کمزوریوں کو بھی برداشت کیا جاتا ہے، چونکہ جہاں خوبیاں ہوتی ہیں، وہاں کچھ خرابیاں بھی ہوسکتی ہیں، اس گلزار عالم میں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی پیدا ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کرلینی چاہیئے کہ کسی ادارے یا جماعت یا شخصیت کی خوبیوں سے نفع حاصل کرنے کے لئے کچھ خرابیوں کو بھی ضرور برداشت کرنا پڑتا ہے، یہ ایک ایسا فطری امر ہے، جس سے انسان کے لئے مفر نہیں ہے، اسی کو ایک حکیم کہتا ہے۔

ع او ماتری المحبوب والمکروہ لُزّا فی نمط

کیا نہیں دیکھتے کہ اس عالم فانی میں پسندیدہ و ناپسندیدہ دونوں ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ ہر شخص چودھویں رات کے چاند کی تعریف کرتا ہے مگر اس کے باوجود جھائیوں سے وہ بھی خالی نہیں ہوتا۔

قیام نظام کیلئے اتباع ضروری ہے

یہ ایک فطری امر ہے کہ دنیا کا کوئی ادارہ بلا نظام نہیں چل سکتا، اور کوئی نظام بلا منتظم نہیں قائم

ہوسکتا، لہٰذا ضرورت ہوتی ہے کہ نظام کو قائم کرنے کے لئے کسی ایک کو ذمہ دار اور بڑا بنایا جائے اور دوسرے تمام لوگ جو کسی نہ کسی طرح اس ادارے سے منسلک ہیں، وہ اس شخص کے ماتحت رہ کر کام کریں، اور اس ادارے کے نظام کے سلسلہ میں حدودِ شرعیہ کے اندر اس کے احکام و فرامین کی پابندی کریں،

اگر نظام کے سلسلہ میں قوانین وضوابط، احکام وفرامین کا معیار ماتحتوں کی پسند وناپسند پر ہو تو کوئی بھی دنیا کا نظام ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، نظام کو چلانے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ صاحب انتظام کے جاری کردہ احکام کی پورا عملہ اتباع کرے۔

اسی لئے کسی نظام کے اچھے یا برُے، کامل یا ناقص ہونے کا یہی معیار ہوتا ہے کہ جس انتظام میں منسلک حضرات جس درجہ صاحب انتظام کے احکام اور اس ادارے کے بنیادی اصول ومقاصد، قوانین وضوابط کی پابندی کریں گے اسی درجہ وہ نظام کامل اور وہ ادارہ کامیاب ہوگا، اور دوسرے اداروں کے مقابلے میں وہ بالکل ممتاز نظر آئے گا۔

اس طرح گویا کسی ادارہ کو کامل طور پر اپنے مقصود میں کامیاب کرنا صرف تنہا منتظم کا کام نہیں، جب تک اسے دوسرے صحیح طور پر اتباع کے ساتھ کام کرنے والے حضرات نہ مل جائیں، چونکہ بغیر صحیح کام کرنے والے عملے کے صرف تنہا منتظم کی حیثیت اصول و قوانین کی لکھی ہوئی کتاب سے زیادہ نہیں ہوتی۔

کسی ادارے کی یہ بڑی خوش قسمتی ہوتی ہے کہ اس کو اہلِ انتظام اور اہل عمل دونوں مخلص پابند اصول مل جائیں، اسی لئے وہ دور کسی ادارہ کا جس میں یہ قران السعدین ہوتا ہے، زرّین دور کہلاتا ہے۔

اسی اصول کے مطابق آپ دیکھ لیجئے دنیا کے جس ملک یا جس ادارے اور جماعت کے ماتحت لوگ اپنے نظام میں احکام کی پوری دیانتداری و فرض شناسی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں اور اصول کے دائرہ کار میں اپنے منتظم کی پسند و ناپسند ہر صورت میں اتباع کرتے ہیں، وہیں کام صحیح چل رہا ہے، اور اس ملک یا جماعت یا ادارے کو کامیاب اور ترقی یافتہ کہا جاتا ہے درحقیقت اس تمامتر ترقی کا راز وہاں کے اہل عمل و اہل کار کی اتباع و فرض شناسی میں مضمر ہوتا ہے۔

شریعت میں اطاعت امیر کی تاکید

اسی لئے شریعت مقدسہ میں حدودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے ہر حال میں امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، خواہ وہ حکم طبائع پر کتنا ہی ناگوار گذرے، اطاعت امیر کی شریعت میں یہاں تک تاکید ہے کہ نماز میں ان امراء کی بھی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا جو مکروہ اوقات میں نماز پڑھائیں یا امورِ فسق میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مستحق امامت نہیں ہوتے، اس اطاعت حکم امیر کی حکمت یہی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کا نظام مختل نہ ہو، تشتت وانتشار نہ پیدا ہو، اتحاد واجتماع کی قوت باقی رہے، چونکہ اگر ان امور کو برداشت نہ کیا جائے اور امیر کی اطاعت نہ کی جائے، بلکہ اس سے اختلاف وخلاف کیا جائے تو اس اختلاف وخلاف سے جو مفاسد پیدا ہوں گے وہ ان موجودہ خامیوں سے کہیں زیادہ اشد ہوں گے۔

لہٰذا ایسے مواقع پر ہمارے عزیز طلبہ کو خیال کرنا چاہیئے کہ اس وقت جو کوئی بھی خامی نظام مدرسہ کے سلسلہ میں نظر آرہی ہے، عافیت اسی میں ہے کہ اِس کو برداشت کرلیا جائے چونکہ اگر اس خامی کو برداشت نہ کیا جائے اور اس کی اصلاح کی

خاطر اسٹرائک کی جائے۔ تو اسٹرائک سے ہونے والا نقصان اس خامی کو برداشت کر لینے کے مقابلہ میں بہت زیادہ شدید ہوگا۔

چونکہ اسٹرائک کی صورت میں تو پورے کا پورا نظام مدرسہ ہی معطل ہو جائے گا، جس سے مرض کے ساتھ ساتھ مریض ہی کے رخصت ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو جائے گا، جو بداہۃً خلافِ عقل ہے۔

بوقتِ داخلہ جملہ قوانین مدرسہ کی پابندی کا عہد

بوقت داخلہ تمام طلبہ سے بڑے مدارس میں تحریری اور چھوٹے مدارس میں زبانی طور پر عہد لیا جاتا ہے کہ وہ مدرسہ کے جملہ قوانین وضوابط کی پابندی کریں گے۔

ہمارے عزیز طلبہ کو ایسے مواقع پر سوچنا چاہئے کہ اسٹرائک کی صورت میں تمام قوانین مدرسہ کو بالائے طاق رکھ کر جو مقابلہ آرائی کی جاتی ہے، کیا یہ عہد شکنی نہیں ہے، جو کہ اوفوا بالعھود کے خلاف ہے۔ جو کسی بھی مسلمان کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں اور خصوصًا طلبۂ علوم دینیہ کے لئے تو یہ اور بھی زیادہ قبیح اور

شنیع ہے ۔

۹ ہر انسانی نظام میں کچھ خامیاں رہ جاتی ہیں

ہر انسانی نظام میں

کچھ نہ کچھ خامیاں رہ جاتی ہیں، جیسا کہ سابق میں عرض کیا جاچکا ہے، تجربہ اس پر شاہد ہے، پھر ان خامیوں کی وجہ بعض مرتبہ کچھ غیر اختیاری امور ہوتے ہیں، مثلاً انسان عالم الغیب نہیں ہے، پھر علم بھی اگر ہوجائے تو آدمی قادر مطلق نہیں ہے ۔ چنانچہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مدرسہ کے نظام میں کچھ خرابیاں ہوتی ہیں، نگران کا یا تو اہل انتظام کو بالکل علم نہیں ہوتا یا اگر علم ہوتا ہے تو کما حقہ پوری طرح سارے واقعہ کا بالتفصیل علم نہیں ہوتا، جس طرح وہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کے علم میں ہوتا ہے جو خود صاحب واقعہ ہوتے ہیں یا انھوں نے اس واقعہ کو خود دیکھا یا خود سنا ہے، وہ حضرات اپنے علم کی بنا پر اہل اہتمام کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں ۔

حالانکہ یہ صریح غلطی ہے ہر انسان اپنے علم کا مکلف ہے، اگر مثلاً کسی واقعہ میں زید اصل قصوروار نہیں ہے، بکر کی اصل غلطی ہے مگر اہل انتظام کو زید ہی کا قصوروار ہونا ثابت ہوا ۔

اب اہل اہتمام تو اپنے اس علم ہی کے مکلف ہوں گے ، اور اسی کے مطابق فیصلہ بھی کریں گے ، ایسی صورت میں جن لوگوں کو اصل واقعہ کا خود مشاہدہ ہے اور انھیں پوری طرح تمام واقعہ معلوم ہے وہ اپنے علم کے اعتبار سے اہل انتظام کو قصوروار قرار دیتے ہیں ، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے ، ہر انسان اپنے علم کا مکلف ہے ، شرعی طریق یہی ہے ۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی واقعہ کی شکایت اہل اہتمام تک پہنچ جاتی ہے ، مگر تحقیق واقعہ کے لئے وہ حضرات ان اطلاعات کو کافی نہیں سمجھتے ، پوری طرح تحقیق کرنا چاہتے ہیں اس کی وجہ سے بسا اوقات فیصلے میں تاخیر ہوتی ہے ۔

پھر بعض مرتبہ واقعات کا صحیح علم بھی ہو جاتا ہے مگر کچھ انتظامی مجبوریاں یا ادارے کی مصلحتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے اُسی وقت کوئی عملدرآمد نہیں ہو سکتا ، ان خرابیوں کے دور کرنے کے لئے اہلِ اہتمام کسی مناسب وقت کے منتظر ہوتے ہیں ۔

ان تمام مصالح کا بر سرِ عام اظہار بھی خلافِ مصلحت ہوتا ہے ، ایسی حالت میں چونکہ وہ تمام مصالح اہل اہتمام کے علاوہ

کسی کے علم میں نہیں ہوتیں، نہ غیر ذمہ دار حضرات کا از خود وہاں تک ذہن پہنچتا ہے، اس لئے وہ حضرات بدگمانیوں میں مبتلا ہوکر اہل انتظام پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں، غیبتیں کرتے ہیں، اور اس طرح اپنے آپ کو طریق ضیاع میں مبتلا کر لیتے ہیں۔

ایسے مواقع پر ہمارے عزیز طلبہ کو خیال کرنا چاہئے کہ کسی خاص واقعہ کے متعلق جو ہماری درخواست منظور نہیں کی جارہی ہے یا اس کے مطابق عملدرآمد میں تاخیر ہورہی ہے، اس میں کوئی حکمت و مصلحتِ انتظامیہ مخفی ہے، جہانتک ہماری نظر نہیں پہنچ رہی ہے۔

چونکہ ذمہ دار کا جو ذہن ہوتا ہے وہ غیر ذمہ دار کا نہیں ہوسکتا چنانچہ انہی طلبہ میں سے جب زمام اہتمام کسی کو حاصل ہوجاتی ہے، تو یہ بھی ذمہ دارانہ مزاج کے تحت وہی طریق اختیار کرتے ہیں، جو اپنے زمانہ طالب علمی میں بار خاطر رہا تھا،

لہٰذا ذمہ دار کے ساتھ حسن ظن رکھنا ضروری اور لازم ہے اس لئے اس سلسلہ میں جلد بازی سے کام لے کر کوئی شورش برپا نہیں کرنی چاہئے۔

بعض لوگ طلبہ کو آلۂ کار بناتے ہیں

بعض مرتبہ آپس میں کچھ لوگوں کی رقابتیں اور ذاتی رنجشیں ہوتی ہیں، بعض مرتبہ جماعتی اختلاف ہوتا ہے جو مختلف جماعتوں سے منسلک لوگوں میں پیدا ہوجاتا ہے، بعض مرتبہ اقتدار کی ہوس کہیں آپس کا حسد و بغض، کبھی عملہ کے بعض افراد کا اہل اہتمام سے کسی اپنی ذاتی غرض کی بناء پر اختلاف ہوتا ہے۔

اس قسم کے لوگ اپنے حریف کو زک دینے کے لئے طلبہ کو استعمال کرتے ہیں، ان لوگوں کا تو مطلب حاصل ہوجاتا ہے مگر ہمارے عزیز طلبہ کا تخریبی حال ہوجاتا ہے، ایسے مواقع پر ہمارے عزیز طلبہ کو سوچنا چاہئے کہ وہ کیوں کسی دوسرے کے دام فریب میں آکر اپنا انجام خراب کریں، اور یہ سوچیں کہ ان لوگوں کا آلہ کار بن کر ہمیں سوائے نقصان کے کیا حاصل ہوگا، جو لوگ طلبہ کو آلہ کار بناتے ہیں ان کا مقصود حاصل ہوجائے یا وہ ناکام رہیں، دونوں صورتوں میں یہ لوگ ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتے، یہ لوگ ہمیں صرف مقصود سے ہٹا سکتے ہیں، حصولِ مقصد میں کوئی اعانت نہیں کرسکتے۔

٥ لہٰذا ایسے غلط لوگوں کا آلۂ کار بننا سراسر مغالطہ وناعاقبت اندیشی ہے، جس کا ارتکاب کوئی بھی صاحب فہم وفراست نہیں کرسکتا۔

اسٹرائک کے قائدین کے احوال[۱۱]

جو لوگ اس اسٹرائک کے قائد ہوتے ہیں

وہ اخبارات ورسائل میں مدارس کے نظام کے خلاف غلط سلط بیانات شائع کرتے ہیں، جس سے ان اداروں کی دینی ساکھ کو زبردست دھکا لگتا ہے۔

نیز اس اسٹرائک کے سلسلہ میں ایسے لوگوں (فساق و فجار) سے مدد لی جاتی ہے جو ایسے مواقع شر و فساد کے منتظر رہتے ہیں کہ کب کوئی ایسا فتنہ پردازی کا موقع ہاتھ آئے اور وہ لوگ جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام انجام دیں۔

اسی طرح یہ اسٹرائک کی قائد اساتذہ کرام واہل اہتمام کے ساتھ بدکلامی ومقابلہ آرائی میں سب کے لیڈر ہوتے ہیں، جو کچھ ان کی زبان پر آتا ہے بکتے چلے جاتے ہیں، بے ثبوت واقعات کو اتہام والزام کے سلسلہ میں علی الاعلان اپنی تقاریر اور تحریرات میں بیان کرتے ہیں، عام طلبہ کو پہلے ہی سے ان کی

شورش پسندی، جاہ طلبی اور آزاد خیالی معلوم ہوتی ہے۔

ایسی صورت میں ہمارے عزیز طلبہ کو مردم شناسی اور موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے خیال کرنا چاہئے کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہو کہ انھیں شریعت کی پابندی کا بھی کوئی خیال نہیں ہوتا۔ نیز اپنے اساتذہ کرام اور محسنین عظام، اہل انتظام واہتمام کے ساتھ مقابلہ آرائی کر رہے ہیں، کیا ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان کو اپنا قائد یا لیڈر بنایا جائے، اور آنکھ بند کر کے ان کی اتباع کرلی جائے، خواہ وہ لوگ پھر طلبہ کو کسی قعرِ مذلت میں لے جاکر ڈال دیں۔

ازروئے عقل و دیانت، دین و شریعت اس قسم کے لوگوں کی قیادت میں آجانا اپنی دین و دنیا کو خود اپنے ہاتھوں برباد کرنا ہے۔

حاصل کلام

الحاصل اسٹرائک کرانے والے حضرات جو دلائل اسٹرائک کے سلسلہ میں پیش کرتے ہیں، ان کے جوابات پیش کرنے سے قبل یہ چند بنیادی امور ذکر کر دیئے گئے، تاکہ ہمارے وہ عزیز طلبہ جن کو طرح طرح سے فریب دے کر اسٹرائک میں شریک کیا جاتا ہے، وہ ان

بنیادی امور کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح واقعات کو سمجھیں اور جو دلائل اسٹرائک کے سلسلہ میں پیش کئے جاتے ہیں ان کے جوابات کو سمجھنے میں بھی ان سے مدد حاصل کریں۔

اسٹرائکی قائدین کے دلائل کے جوابات

اصل چندہ طلبہ ہی کیلئے ہوتا ہے

کہا جاتا ہے کہ اصل چندہ صرف طلبہ ہی کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا وہی اس کے اصلی مستحق ہیں، دوسرے تمام ملازمین و مدرسین تو طلبہ ہی کے طفیل میں کھاتے ہیں، لہٰذا جب طلبہ ہی اصل ہیں تو کیوں نہ اہل مدرسہ کی جانب سے طلبہ کی حسب مرضی انتظام کیا جائے۔

اور جب طلبہ کی حسب منشاء انتظام نہ ہو تو کیوں نہ اپنے حقوق کے حاصل کرنے کے لئے اسٹرائک کی جائے۔

اس دلیل کے جواب کے سلسلہ میں عرض ہے کہ یہاں پر ایک بنیادی مغالطہ ہے، اور چونکہ یہ مغالطہ طلبہ کے دوسرے دلائل میں بھی قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے، لہٰذا یہاں اس پر ذرا تفصیل سے کلام کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح اور ظاہر ہے کہ چندہ مطلقاً مدارس دینیہ کے لئے ہوتا ہے، عام طور پر کوئی خاص مد متعین نہیں ہوتی اور جہاں دینے والا کسی خاص مد کی تخصیص کر دیتا ہے وہ چندہ اُسی مد میں صرف کیا جاتا ہے، اسی طرح صدقاتِ واجبہ مثل زکوٰۃ، فطرہ، قربانی، کفارات، فدیہ وغیرہ کی رقم کو خاص طور پر طلبہ ہی پر خرچ کیا جاتا ہے، اِلّا یہ کہ بصورت ضرورتِ شدیدہ بحیلہ تملیک دوسری مدات میں اس کو صرف کیا جائے جو کہ طلبہ ہی کے لئے ہیں۔

(۲) جب یہ امر واضح ہو گیا کہ عمومی چندہ جس سے مدارس عربیہ کے مصارف پورے ہوتے ہیں، مطلقاً مدارس دینیہ کے لئے ہوتا ہے، اس میں تعمیرات یا ملازمین و مدرسین کی تنخواہ یا خرید کتب و طعام طلبہ وغیرہ کی کوئی مد خاص نہیں ہوتی، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ بصورتِ موجودہ مدرسہ کی حقیقت کیا ہے؟

سو جب ہم مدرسہ کی ہیئتِ مرکبہ پر نظر ڈالتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ ایک ایسی ہیئتِ اجتماعیہ کا نام ہے جس میں مدرسہ کے زیر انتظام تمام شعبے داخل ہیں، لہٰذا سبھی شعبوں پر اس چندہ کی رقم کو صرف کیا جاتا ہے، اور سبھی شعبے اس رقم کے مصرف ہیں۔

(۳) چونکہ جب اصل حقیقت پر غور کیا جائے گا، تو معلوم ہوگا کہ بذاتِ خود نہ یہ مدارس اصل ہیں نہ ان کے تمام شعبے بلکہ اصل مقصود ان تمام مدارس سے بقاءِ علوم دینیہ ہے، اب چونکہ بقاءِ علوم دینیہ کے لئے درس وتدریس لازم ہے، پھر درس وتدریس کے لئے آج کے زمانے میں نظام تعلیم بہیئت موجودہ ہونا ضروری ہے، اور یہ موقوف ہے وجود مدارس پر، اس لئے مدارس کا ہونا ضروری ہے۔

اور مدارس کے چلنے کے لئے چونکہ اس عالم اسباب میں رقم کی ضرورت ہے، لہٰذا عامۃ المسلمین پر ان دینی اداروں کی بقاء کی خاطر جو کہ بقاءِ علومِ دینیہ کا ذریعہ ہیں، مالی اعانت کرنا ضروری اور فرض ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ اصل چندہ بقاءِ علم دین کے لئے

ہوتا ہے، مگر چونکہ بقاء علم اس دور میں ان مدارسِ دینیہ کے ذریعہ ہو رہا ہے، لہٰذا ان مدارس کے اخراجات کے لئے چندہ دیا جاتا ہے۔

جب یہ امر ثابت ہوگیا کہ عام چندہ مطلقاً مدارس کے لئے ہوتا ہے، تو اب مدارس میں نظام تعلیم کے قیام کی خاطر جن شعبوں کی ضرورت ہوگی وہ تمام شعبے مثلاً دار الاقامہ، مطبخ ملازمین، طلبہ واساتذہ وغیرہ اس چندہ کے مصرف قرار پائیں گے جو ان مدارس کے لئے دیا جاتا ہے، چونکہ مدرسہ ان تمام شعبوں کی ہیئتِ ترکیبیہ ہی کا نام ہے، صرف طلبہ ہی کو اس چندہ کا مصرف قرار دینا سراسر مغالطہ ہے، جیسا کہ وضاحت کے ساتھ عرض کیا گیا۔

حسبِ منشا انتظام کا مطالبہ

اس دلیل کا آخری جزیہ ہے کہ جب طلبہ کے حسبِ منشا انتظام نہ ہو تو اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے اسٹرائک کیوں نہ کی جائے۔

عزیز طلبہ کی اس دلیل کے سلسلہ میں عرض ہے کہ ایک تو انتظام کا صحیح ہونا ہے، اور دوسرے اس کا سب کے حسب منشا

ہوتا ہے، یہ دونوں جداگانہ چیزیں ہیں، چونکہ اصول کو مفادِ عامہ کا لحاظ رکھ کر بنایا جاتا ہے، لہٰذا کسی بھی صحیح انتظام کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سب کے حسبِ منشا بھی ہوا کرے، پس اگر کسی انتظام کے سلسلہ میں کوئی امر کسی کے منشا کے مطابق نہ ہو تو ضروری نہیں کہ یہ نظام ہی کی خرابی ہو۔

عین ممکن ہے کہ نظام تو بالکل صحیح ہو، مگر اس نظام کو اپنی مرضی کے مطابق چاہنے والے غلطی پر ہوں، جیسا کہ بسا اوقات ایسے مطالبات کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ "جمعیۃ الطلبہ" کے قیام کا مطالبہ اسٹرائک کرانے والوں کے بنیادی مطالبات میں سے ہوتا ہے۔

حالانکہ متعدد خرابیوں کی بناء پر جن کا بارہا مشاہدہ و تجربہ ہو چکا ہے، جمعیۃ الطلبہ کا قیام نظامِ مدرسہ کے خلاف ہوتا ہے چونکہ جمعیۃ الطلبہ اور اس کے تحت انجمنوں سے طلبہ میں گروہ بندی نظام مدرسہ میں خلل اندازی، طلبہ کا اپنے مقصود یعنی تحصیل علم سے ہٹ کر غیر مقصود امور میں مبتلا ہونا وغیرہ نقصانات اہل مدرسہ کی نظر میں ہوتے ہیں۔ اس لئے

جمعیۃ الطلبہ کا قیام خلاف قانون مدرسہ قرار دیا جاتا ہے۔

اب یہاں طلبہ نظام مدرسہ کو اپنی مرضی کے مطابق بنانا چاہتے ہیں، کہتے ہیں کہ مدرسہ کے قانون کو ہماری مرضی کے مطابق بنایا جائے، اور جمعیۃ الطلبہ کے قیام کی منجانب مدرسہ منظوری دی جائے، اگر منظوری نہیں دی جاتی تو نظام مدرسہ کو غلط قرار دیا جاتا ہے۔

دیکھئے یہاں پر نظام موجود ہے، اور نظام اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، اور طلبہ کی بہی خواہی پر مبنی ہے، مگر چونکہ وہ صحیح نظام طلبہ کی آزادانہ روش کے حسب منشا نہیں ہے، لہذا اس نظام کو خراب اور غلط قرار دیا جاتا ہے۔

اس سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ کسی بھی صحیح نظام کا ہر ایک کی مرضی کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔

لہٰذا یہ کہنا کہ جب طلبہ کے حسب منشا انتظام نہ ہو تو کیوں نہ اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی خاطر اسٹرائک کی جائے سراسر غلط فہمی اور خلاف دانائی ہے۔

پھر یہاں پر یہ بات بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اگر ہر نظام کے لئے یہ ضروری قرار دیا جائے کہ وہ سب کی منشا

کے مطابق ہوا کرے تو ایسے نظام کا چلنا تو درکنار، دنیا میں ایسا نظام بننا ہی محالات سے ہے، اگر بطور امتحان ان اسٹرائکی قائدین کو ہی کسی ادارہ کا نظام بنانے کے لئے کہا جائے تو کیا وہ ایمانداری کے ساتھ بتلا سکتے ہیں کہ وہ ایسا نظام مرتب کر دیں گے جو سب کی منشا کے مطابق ہو، اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً ہے جیسا کہ عقل و تجربات اس پر شاہد ہیں، تو پھر وہ حضرات نظام مدرسہ کے سلسلہ میں بھی کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ اگر بعض باتیں ہماری مرضی کے خلاف ہیں تو اس سے نظام مدرسہ کا غلط ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

پھر خصوصاً جبکہ وہ نظام ہمارے خیر خواہوں کا بنایا ہوا ہے ضرور اس میں ہماری خیر خواہی اور ہمدردی مضمر ہوگی، یہ الگ بات ہے کہ وہاں تک ہماری نظر نہ پہنچ سکے، اور واقعی اگر کوئی تکلیف ہے بھی تب بھی جس کی طرف سے ہزاروں راحتیں میسر ہوں، اگر اس کی طرف سے ایک دو تکلیف کی باتیں بھی پیش آجائیں تو سعادتمندی و شکرگذاری کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کر لیا جائے۔

صرف چند شکایات کی بنا پر آسمان کو سر پر اٹھا لینا اور تمام

احسانات اور خوبیوں کو بھلا دینا انتہائی ناشکری اور خلاف شائستگی، خلاف تہذیب ہے، جو کسی بھی بھلے انسان سے صادر نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ نائبانِ رسول صاحبانِ منصبِ خلافتِ الٰہی، وارثانِ علوم نبوی سے ایسی حرکت صادر ہو، خصوصاً جبکہ ہمارے پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما گئے ہیں۔

من علم عبداً آیۃ من کتاب اللہ فھو مولاہ لا ینبغی لہ ان یخذلہ ولا یستأثر علیہ، یعنی جو کسی کو کتاب اللہ کی ایک آیت بھی سکھا دے وہ اس کا آقا ہے، لہٰذا سیکھنے والے طالب علم کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کی توہین کرے یا اس پر برتری جتائے۔

حقوق طلبہ کی تحقیق

اسٹرائک کرنے والے طلبہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی خاطر اسٹرائک کرتے ہیں، اس سلسلہ میں حق واجب کی حقیقت پر کلام کیا جاتا ہے، تاکہ پھر اس کو حاصل کرنے کے لئے اسٹرائک کا مسئلہ حل ہو سکے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ جبر و اکراہ کے ساتھ مطالبہ بصورت مجبوری

بشرطِ حفاظتِ فتنہ صرف حقوقِ واجبہ کے لئے ہوسکتا ہے، چونکہ شریعت نے فتنہ سے اجتناب کی بہت تاکید کی ہے، اور اسٹرائک کی حقیقت بجبر و اکراہ اپنے مطالبات کو منوانا ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے اسٹرائکی قائدین ان مطالبات کو اپنا حق واجب سمجھتے ہیں، جن کے حاصل کرنے کے لئے وہ اسٹرائک کے ذریعہ جبر و اکراہ کا طریق اختیار کرتے ہیں۔

علوم دینیہ کا ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ بجبر و اکراہ مطالبہ کا حق صرف حقوقِ واجبہ معینہ میں ہوتا ہے، مثلاً مزدور اپنی مزدوری، ملازم اپنی تنخواہ، قرضخواہ اپنا قرض بشرطِ حفاظتِ فتنہ بجبر و اکراہ بھی وصول کرسکتا ہے جبکہ بلا جبر وصولیابی نہ ہوسکے، چونکہ یہاں پر ان لوگوں کا حق واجب معین طریقے پر موجود ہے۔

بخلاف اس کے کوئی مستحق زکوٰۃ کسی صاحبِ نصاب سے زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے جبر و اکراہ نہیں کرسکتا، چونکہ اس کا صاحبِ نصاب کے ذمہ کوئی حق واجب معین نہیں ہے اس لئے وہ صاحبِ نصاب سے یہ مطالبہ نہیں کرسکتا کہ جناب

لایئے زکوٰۃ دیجئے ورنہ ابھی آپ کا گھیراؤ کر کے ناطقہ بند کر دیا جائے گا، آپ کے ذمہ ہم مستحقین کا حق واجب ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال اسی لئے دیا ہے کہ اس میں سے آپ غرباء کو زکوٰۃ دیں، اگر آپ ہمارا یہ مطالبہ پورا نہ کریں گے تو گھیراؤ، اسٹرائک، شورش، جلسہ وجلوس، اشتہارات واخبارات وغیرہ کی ہر ممکن صورت آپ کے خلاف ہم استعمال کریں گے اور اس کی تمامتر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

حقوق کی ان دونوں قسموں کی مثالوں سے یہ امر واضح ہوگیا کہ طلبہ کی مثال قرضخواہ یا ملازم اور مزدور کی جیسی نہیں ہے، جن کا حق کسی پر مقرر ومعین ہوتا ہے، چونکہ طلبہ نے تو اہل مدرسہ کو کچھ دیا نہیں، نہ انھوں نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس کی وجہ سے ان کا کوئی حق واجب ہوا ہو۔

رہا یہ سوال کہ چونکہ طلبہ کے لئے یہ چندہ دیا گیا ہے، لہٰذا طلبہ کا حق واجب ہے، اس مغالطہ کی تردید جواب کے شروع میں بالتفصیل عرض کی جاچکی۔

جس کا ماحصل یہ ہے کہ دینے والے مطلقاً "بقاء علم" کیخاطر مدارس دینیہ کے لئے دیتے ہیں جس میں ان مدارس کے تمام

شعب داخل ہیں، وہ کسی معین شخص یا معین جماعت کے لئے نہیں دیتے، لہٰذا طلبہ کی کوئی مخصوص و معین جماعت اس کا مصرفِ معین نہیں، چنانچہ ہر سال طلبہ کی آمد و رفت مدارس میں ہوتی رہتی ہے، اگر طلبہ کی کوئی مخصوص جماعت ہی اس چندہ کا مصرف ہوتی تو انکے علاوہ کسی اور طالب علم کو مدرسہ میں داخل نہ کیا جاتا۔

بہرحال مذکورہ بالا تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ مستحقین زکوٰۃ کی مانند فی الجملہ طلبہ اس چندہ کے مستحق ضرور ہیں، مگر یہ استحقاق لاعلی التعین ہے، طلبہ کی کسی مخصوص جماعت کا معین استحقاق نہیں ہے، جیساکہ ملازم یا قرضخواہ کا حق واجب و معین ہوتا ہے، لہٰذا طلبہ کے لئے اپنے حقوق کے مطالبہ کی خاطر اسٹرائک کرنا کسی طرح بھی عقلاً و شرعاً درست نہیں ہے۔

نیز یہاں پر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ مدرسہ طلبہ کے قیام و طعام وغیرہ کے ضروری اخراجات کا کفیل ہوتا ہے، زائد اخراجات مثلاً علاج معالجہ، ناشتہ وغیرہ کا مدرسہ کفیل نہیں ہوتا، اس کے باوجود اکثر مدارس میں علاج معالجہ، وظیفہ، تیل کپڑا، لحاف

جوتا، رہائش کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ کمرے، بجلی کے پنکھوں اور نلوں وغیرہ کا انتظام طلبہ کی راحت وآرام کے لئے کیا جاتا ہے انصاف سے اگر ہمارے عزیز طلبہ غور کریں تو اکثر کے گھروں پر بھی ایسے راحت وآرام کے سامان موجود نہیں ہیں، جیسے مدارس میں مہیا کردیئے گئے ہیں، ایسی صورت میں پھر بھی بار بار اضافوں کے مطالبات ناشکری نہیں تو اور کیا ہے۔

مدارس دینیہ کے طلبہ اپنے کو انگریزی طلبہ پر قیاس نہ کریں

نیز ہمارے عزیز طلبہ اپنے آپ کو انگریزی طلبہ پر قیاس نہ کریں، اولاً تو اس لئے کہ کہاں علوم دنیویہ کے طالب، کہاں علوم نبویہ کے طالبین، ان دونوں کی شانیں برابر نہیں ہوسکتیں پھر وہ طلبہ فیس ادا کرتے ہیں، قیام وطعام تعلیم وغیرہ کے سب اخراجات دیتے ہیں، لہٰذا انھیں حق حاصل ہے کہ اپنے دیئے ہوئے پیسے کے مطابق قیام وطعام وغیرہ کے بارے میں اگر کمی دیکھیں تو اہل انتظام سے مطالبہ کریں۔

بخلاف اس کے ہمارے عزیز طلبہ تو کچھ دیتے نہیں، قومی چندہ سے جتنی تحویل میں گنجائش ہوتی ہے ضروریات سے بھی زائد

راحت کے سامانوں کا انتظام کر دیا جاتا ہے، پھر بھی بار بار مطالبات کی رٹ اور اس کے لئے اسٹرائک کی صورت میں جبر و اکراہ سراسر ناانصافی، ناشکری اور جبرفی التبرع ہے۔

اب پہلے جیسے استاذ کہاں ہیں

کہا جاتا ہے کہ اساتذہ کرام کا ادب اور مدارس دینیہ کی عظمت و وقار کی پاسداری اپنی جگہ مسلّم ہیں، مگر اب چونکہ اساتذہ کرام اور اہل انتظام پہلے جیسے نہیں رہے، لہٰذا اب ان کے وہ حقوق و آداب بھی نہیں رہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی بات ہمارے عزیز طلبہ نے کیا کبھی اپنے بارے میں بھی سوچی ہے، کیا پہلے طالب علم بھی ایسے ہی ہوا کرتے تھے، کیا ان کے عادات و اطوار، اعمال و اخلاق اور طلب علم کے اوصاف موجودہ مدارس کے طلبہ کے اندر موجود ہیں۔

خود اپنے اخلاق، احوال، اعمال کو دیکھیں اور فیصلہ کریں، ہمارے عزیز طلبہ میں انحطاط کہاں تک آگیا ہے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حدودِ شرعیہ کی بھی پابندی نہیں کی جاتی جیسا کہ اسٹرائک کے سلسلہ میں کھلم کھلا دیکھا جاتا ہے،

پہلے طلبہ کے لئے قیام وطعام وغیرہ کے ہر طرح کے آرام وآسائش کے یہ سامان کہاں تھے ؟ فقر وفاقہ کے ساتھ رہ کر وہ حضرات علم دین حاصل فرماتے تھے، جیساکہ اکثر سلف کے احوال میں موجود ہے، اس کے بالمقابل آج ہمارے مدارس میں اکثر کے اعتبار سے گھروں سے زیادہ راحت وآرام کے سامان موجود ہیں، مگر پھر بھی ھل من مزید کے نعرے لگائے جاتے ہیں،

اگر پہلے اور پچھلوں کے احوال کے فرق کی وجہ سے اساتذہ واہل اہتمام کے ادب واحترام کا حکم ساقط ہو سکتا ہے تو پھر بتلایا جائے کہ ہمارے طلبہ میں جو پہلوں اور پچھلوں کا فرق آچکا ہے، جیساکہ ہم نے عرض کیا ہے، تو یہاں اس فرق کی بنا پر ان کے حقوق کیوں ساقط نہیں ہوتے ۔

انصاف اور دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہمارے عزیز طلبہ اپنی حالت پر غور کرتے، اور اپنی اصلاح کی فکر کرتے، مگر دیکھا یہ جارہا ہے کہ جتنا ہمارے عزیز طلبہ کو اپنے حقوق کے مطالبات کی فکر ہے، اس کے عشر عشیر بھی اپنی حالت کی اصلاح کی فکر نہیں، ورنہ ضرور اس کے لئے بھی جلسے ہوتے، خود اپنے نفسوں

سے بھی حقوقِ علم کی ادائیگی کا مطالبہ ہوتا جو کہ نفس پر حقِ واجب ہے ـــ

چونکہ جب ایک شخص طالب علم بن گیا تو اس پر طالب علمی کے حقوق کی ادائیگی واجب ہوگئی، ذرا انصاف سے بتایا جائے کہ ہمارے عزیز طلبہ خود طالب علمی کے حقوق کو کس درجہ ادا کر رہے ہیں

اس سلسلہ میں جب حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو نہایت ہی افسوسناک صورت حال سامنے آتی ہے، طالب علمی کے حقوق کی ادائیگی کے بجائے ان خرابیوں کی کثرت ہوگئی ہے جو تحصیلِ علم کے لئے زہر ہلاہل کا درجہ رکھتی ہیں، اساتذہ کرام کی بے احترامی اہل انتظام کے ساتھ مقابلہ آرائی، شکل وصورت میں اسلاف کے اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر فساق وفجار کی اقتدار، فکر وذہن کی آزادی وغیرہ کیا یہ چیزیں طالب علم کے لئے مہلک نہیں ہیں کیا طلب علم کے حقوق کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ہمارے عزیز طلبہ ان بیرونی اپنائی ہوئی عادتوں کو یکلخت ترک کر دیں۔

اور اگر حقوق کو حاصل کرنا ہی ہمارے عزیز طلبہ کا مشغلہ بن گیا ہے، تو ہم کہیں گے کہ اہل مدرسہ نے تو ماشاء اللہ آپ کے ضروری حقوق سے بھی زائد راحت وآرام کے سامان مہیا

کردیئے ہیں، اب آپ ان مطالبات کا رخ اپنے نفسوں کی طرف موڑ دیجئے، اور ذرا اپنے نفسوں سے علم کے ان حقوقِ واجبہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیجئے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں اور آدابِ علم کتابوں میں مدون طریقے پر لکھے ہوئے ہیں۔

پھر دیکھئے منجانب اللہ آپ کے لئے دین و دنیا کی تمام نعمتیں کس طرح خود بخود غیب سے مہیا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اس اعتراض کے سلسلہ میں کہ چونکہ اب پہلے سے اساتذہ و اہل اہتمام نہیں رہے، لہٰذا اب ہم ان کے ادب و احترام سے ہی سبکدوش ہو گئے، علیٰ سبیل التسلیم عرض کیا جاتا ہے کہ اگر واقعی اہل انتظام یا اساتذہ کرام کی بعض خامیاں ایسی سامنے آویں جن کی کوئی تاویل نہ کی جا سکے، پھر بھی ان کا ادب و احترام ضروری ہے، ان کے ساتھ مقابلہ آرائی، بدکلامی و گستاخی کا سلوک ناروا ہے، اور فیوض و برکاتِ علم کے لئے سمِ قاتل ہے۔

شریعت میں اس کی کھلی ہوئی مثال ماں باپ کے حقوق کی موجود ہے، دیکھ لیجئے اگر ماں باپ کے اندر کوئی خامی ہو تب بھی اولاد کے لئے ان کی بے احترامی یا ایذا رسانی و مقابلہ آرائی شرعاً جائز نہیں ہے، بعینہ اسی طرح بعض خامیوں کی بنا پر

اپنے اساتذہ کرام و اہل اہتمام کے ساتھ ایسا سلوک شرعًا جائز نہیں ہے۔

خصوصًا جب کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ استاذ و شاگرد کا تعلق نہایت نازک ہوتا ہے، یہاں ہمیشہ باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب ہوتا ہے۔

چنانچہ جو طلبہ اسٹرائک کے سلسلہ میں یا اس کے علاوہ اُساتذہ کرام کی بے احترامی کرتے ہیں، ان کی تمام محنت ضائع اور بیکار جاتی ہے، وہ علم کے فیوض و برکات سے محروم ہو جاتے ہیں، پھر ان کا علم نہ ان کے کام آتا ہے نہ دوسروں کے کام آتا ہے، یہی علم غیر نافع وہ چیز ہے جس سے پناہ مانگی گئی ہے،

الغرض اس دلیل کی بناء پر بھی ہمارے عزیز طلبہ کے اس مقابلہ آرائی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

ہمارے مطالبات کا تعلق اساتذہ سے نہیں اہتمام سے ہے

کہا جاتا ہے کہ ہمارے تمامتر مطالبات کا تعلق اہل اہتمام سے ہے، اساتذہ کرام سے اس سلسلہ میں ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، لہٰذا اساتذہ کرام کو درمیان میں نہیں آنا چاہئے

تاکہ ان کی بے احترامی نہ ہو، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ خلاف واقعہ ہے، چونکہ مشاہدہ ہے کہ اکثر مواقع پر علی الاعلان تقاریر میں اساتذہ کرام کی بے احترامی کی جاتی ہے، اتہامات والزامات تک لگائے جاتے ہیں، بعض مرتبہ اگر کوئی استاذ سمجھانے یا اور کوئی ضروری اعلان سنانے کے لئے طلبہ کے مجمع میں آتے ہیں تو ان کو دھکے دے کر زبردستی واپس کر دیا جاتا ہے، اگر تقریر کرنا چاہیں تو شور وغل کر کے سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، ان کی تقریر نہیں سنی جاتی، کیا یہ براہ راست اساتذہ کرام کی بے احترامی نہیں ہے؟

اور اگر بالفرض کسی اسٹرائک میں براہ راست اساتذہ کرام کی بے احترامی نہ کی جائے تب بھی یہاں پر یہ دلیل نہیں چلتی کہ ہمارا اساتذہ کرام سے کوئی مطالبہ نہیں ہے، لہٰذا وہ حضرات درمیان میں نہ آئیں، چونکہ یہ تو آپ کی فہم ناقص کا فیصلہ ہے جس کا آپ اپنے اساتذہ کرام کو محکوم بنا رہے ہیں۔

مگر آپ کے اساتذہ کرام جو خود صاحب فہم وبصیرت ہیں وہ تو نہ آپ کی خام خیالیوں کے مکلف ہیں نہ آپ کے مامور ومحکوم ہیں کہ جو حکم بھی آپ صادر کریں لازماً وہ اس کی پابندی

کریں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اساتذہ کے لئے ایسے مواقع پر خاموش رہنے کا حکم صادر کرنا خود شاگردوں کی بڑی بھاری گستاخی و ناخلفی ہے، چونکہ استاذ کو تو حق پہنچتا ہے کہ وہ شاگرد پر حکم لگائے، مگر شاگرد کو استاذ پر حکم صادر کرنے کا بھلا کیا حق پہنچتا ہے۔

بہرحال اساتذہ کرام جب آپ کو دیکھیں گے کہ آپ اپنی ناعاقبت اندیشی کی بنا، پر سراسر نقصان کی طرف جا رہے ہیں ایک طرف اپنا سب کچھ حاصل شدہ ضائع کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف جس شاخ پر آپ کا آشیانہ ہے، آپ اس کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، تو اساتذہ کرام پر لازم ہے کہ وہ آپ کو اس ناعاقبت اندیشی پر سمجھائیں، تاکہ وقتی جذبات کی رو میں بہہ کر آپ ہمیشہ کے لئے اپنی عاقبت خراب نہ کریں، چونکہ اساتذہ پر تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کی تربیت بھی لازم ہے۔

مثال کے طور کسی آدمی کا بیٹا کسی شخص کے ساتھ برسرپیکار ہو اور اس حال میں اس کا والد دیکھے کہ اس جنگ وجدل میں میرے بیٹے کی عاقبت خراب ہوگی اور اس کا بڑا نقصان ہوجائیگا تو کیا ایسے موقع پر والد صاحب کو اپنے اس بیٹے کو سمجھانے کا

حق حاصل نہیں ہے، بالفرض ایسی حالت میں اگر بیٹا باپ کی نصیحت ماننے کے بجائے یہ کہنے لگے کہ ابامیاں آپ خاموش رہیں، چونکہ میرا آپ سے کوئی مطالبہ نہیں ہے، تو کیا عقل و انصاف کی رو سے بیٹے کا یہ جواب درست کہا جائے گا، اور کیا اس کے والد صاحب اپنے فرزند ارجمند کا یہ جواب سن کر خاموش ہو جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ باپ ضرور ایسے موقع پر اپنے بیٹے کو سمجھائے گا، اب یہ اس کی سعادتمندی یا غیر سعادتمندی پر موقوف ہے کہ وہ اپنے باپ کی نصیحت کو قبول کرتا ہے یا نہیں قبول کرتا۔

کہا جاتا اسٹرائک ہی سے ہمارے مطالبات منظور ہوتے ہیں

ہے کہ بار بار کا تجربہ ہے کہ جب اسٹرائک کی جاتی ہے تو ہمارے مطالبات منظور کر لئے جاتے ہیں، لہٰذا کیوں نہ مطالبات کی منظوری کی خاطر اس آزمودہ نسخہ کو کام میں لایا جائے۔

اس دلیل کے سلسلہ میں عرض ہے کہ جہاں تک ان حقوق کا مسئلہ ہے جن کے متعلق مطالبات کئے جاتے ہیں، اس کے

متعلق دلیل نمبر ایک کے جواب میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے اب یہاں پر ہم صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا یہ تجربہ ہو کہ چوری، ڈاکہ اور جبر و اکراہ سے اس کا مقصد حاصل ہو جایا کرتا ہے، تو کیا صرف اس بار بار کے تجربہ کی بنا، پر اس کا یہ جبر و اکراہ، چوری، ڈاکہ وغیرہ درست قرار دیا جا سکتا ہے، اگر اس شخص کا یہ بار بار کا تجربہ اس کے ناجائز افعال کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتا، اور یقیناً نہیں بن سکتا، تو ہمارے عزیز طلبہ کا بار بار کا تجربہ اسٹرائک کے لئے کیسے وجہ جواز بن سکتا ہے۔

پھر اس سلسلہ میں ہمارے عزیز طلبہ صرف بعض مرتبہ چند مطالبات کی منظوری ہی کو کیوں دلیل بناتے ہیں، جب کہ بعض مرتبہ واقعات اس کے برعکس بھی ہوتے ہیں، چنانچہ اسٹرائکی قائدین کا اخراج ہوتا ہے، مدرسہ بند کر دیا جاتا ہے جس سے تعلیم کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے، بعض مرتبہ دفع الوقتی کے طور پر مصلحتاً بعض مطالبات کو منظور کر لیا جاتا ہے، مگر پھر بعد میں حسب موقع اسے نامنظور کر دیا جاتا ہے اور اصل اعتبار انجام کا ہی ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر بعض مرتبہ طلبہ کی شورش کو ختم کرنے کے لئے جمعیۃ الطلبہ کو منظور کر لیا جاتا ہے، مگر پھر کسی مناسب وقت پر اس کو خلافِ قانون قرار دیدیا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اولاً تو یہی غلط ہے کہ ہر مرتبہ اسٹرائک سے ضرور مطالبات منظور ہی ہوجایا کرتے ہیں اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ منظور ہوجایا کرتے ہیں تب بھی اس کا مجرب ہونا اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔

آخر جتنے چور، ڈاکو دنیا میں ہیں وہ سب اپنے تجربات ہی کی بنا پر ان حرام پیشوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں، مگر ان کے وہ تجربات ان حرام افعال کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتے۔

کیا ہمیں اہل انتظام پر تنقید کا حق حاصل ہے

ہمارے عزیز طلبہ کہتے ہیں کہ ہم کو اہل انتظام پر تنقید کا حق حاصل ہے، اور اس کے لئے دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو ذکر کرتے ہیں۔

کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ممبر پر تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! تم لوگ کیا کروگے اگر میں

اپنے سر کو دنیا کی طرف پھیر دوں اور آپ نے اپنے سر کو دوسری طرف پھیر کر دکھایا، اس پر ایک بدوی کھڑا ہوا، اور اپنی تلوار کھینچی اور تلوار کھینچ کر قتل کی طرف اشارہ کیا، اور کہا کہ ہم تم کو یوں کر دیں گے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے قتل کرنے کو کہہ رہا ہے، اس نے کہا کہ ہاں قتل کرنے کو کہہ رہا ہوں، اس پر حضرت عمرؓ نے اسکو تین مرتبہ ڈانٹا، اس نے یہی ترکی بترکی جواب دیا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری رعیت میں ایسے آدمی پیدا کئے ہیں کہ اگر میں حق سے ہٹ جاؤں تو وہ مجھے سیدھا کر دیں۔ (ازالۃ الخفاء)

اس دلیل کے سلسلہ میں عرض ہے کہ بھلا اس واقعہ کو اس شورش وفساد، اساتذہ کرام کی تنقیص اور اہل انتظام کے ساتھ محاذ آرائی سے کیا نسبت ہے، یہ قیاس مع الفارق کیسا ہے؟ کہاں شر و فساد اور کہاں خیر و صلاح۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس واقعہ کی حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ اس میں ایک صحابی کی پُر خلوص رائے کا اظہار ہے، اور وہ بھی حضرت عمرؓ کے

از خود دریافت فرمانے پر۔

موقع محل کے اعتبار سے حضرت عمرؓ کا دریافت فرمانا خود بتلا رہا ہے کہ آپ خود یہ کہلوانا چاہتے ہیں کہ اگر کہیں خدانخواستہ مجھ سے چوک ہو جائے تو تم برملا ٹوک دینا، یہاں نہ کوئی مقابلہ آرائی ہے نہ توہین و تذلیل کا شائبہ ہے نہ کوئی جبر و اکراہ ہے نہ محاذ آرائی۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک روز مال غنیمت میں چادریں آئیں، اور سب کو ایک ایک حصہ میں آگئی، اس کے بعد جمعہ کے دن خطبہ پڑھنے جو ممبر پر تشریف لے گئے تو انھیں چادروں میں سے آپ ایک اوڑھے ہوئے اور ایک بطور ازار باندھے ہوئے تھے، خطبہ پڑھنا شروع فرمایا اور اس میں فاسمعوا واطیعوا فرمایا حضرت سلمان فارسیؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے ہم سب کو ایک ایک چادر دیں اور آپ خود دو زیب تن کئے ہوئے ہیں، حضرت عمرؓ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے اپنی پرانی ازار دھو کر خشک ہونے کو ڈال دی ہے اور ان دو میں ایک چادر عبداللہ اپنے بیٹے سے مستعار لی ہے، یہ سن کر

حضرت سلمانؓ بولے، بہت اچھا اب ہم آپ کی سنیں گے، اور اطاعت کریں گے، تو حضرت عمرؓ کے اس واقعہ میں بھی جبر واکراہ، توہین وتذلیل اور مقابلہ آرائی کا کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔

چونکہ اس واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے یہ خیال فرمایا کہ آپ کے پاس دو چادریں دیکھ کر کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ آپ نے سب کو تو بیت المال سے ایک ایک چادر دی اور خود دو چادریں لے لیں، لہٰذا بہتر ہے کہ سب کے سامنے اس کی صفائی آجائے، اس لئے سب کے سامنے حقیقت حال دریافت کی، اور حضرت عمرؓ کے جواب سے حقیقت معلوم ہوگئی اور بات صاف ہوگئی، جس کا حاصل عین احترام اور توقیر ہے نہ کہ توہین وتحقیر کا شائبہ اور مقابلہ ومقاطعہ، پھر اس واقعہ سے استدلال کرنا اور اپنے اساتذہ واکابر سے مقاطعہ کے لئے دلیل وسند پکڑنا کس طرح روا ہوسکتا ہے؟۔

ہاں اس تخریب کاری وشر وفساد کی مثال ان واقعات کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرین کے واقعہ میں ملتی

ہے کہ باتفاق علما حق محاصرین غلطی پر تھے، اور اگر بالفرض یہی بات ہوتی کہ اہل انتظام پر ہر جگہ جا بیجا تنقید کا حق حاصل ہے کہ اگر اپنی منشار کے خلاف کہیں کوئی بات پیش آجائے تو اس پر مقابلہ آرائی بھی درست ہو، تو انہی حضرت عمرؓ کے بہت سے واقعات بیجا تنقید پر ناراضگی اور سرزنش کے نہ ہوتے، حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔

چنانچہ دیکھئے بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عیینہ بن حصین نے اپنے بھتیجے حر بن قیس سے کہا کہ میں حضرت عمرؓ سے ملنا چاہتا ہوں، انھوں نے حضرت عمرؓ سے اجازت لی، اجازت کے بعد حضرت عیینہؓ حاضر ہوئے اور کہا۔

یا ابن الخطاب باللہ ما تعطینا الجزل ولا تحکم بیننا بالعدل یعنی آپ ہم کو بہت زیادہ عطا نہیں کرتے اور انصاف کا معاملہ ہمارے ساتھ نہیں کرتے، اس پر حضرت عمرؓ کو اتنا غصہ آیا کہ درّہ لے کر مارنے کا ارادہ فرمایا، اس پر حضرت حرؓ نے جو حضرت عمرؓ کے خواص اور اہلِ شوریٰ میں سے تھے عرض کیا اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کو خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ فرمایا ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے

درگذر کیا۔

اسی طرح حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضؓ جو منجملہ عشرہ مبشرہ ہیں اور کبار صحابہ رضؓ سے ہیں، انکا واقعہ ہے کہ جب حضرت عمر رضؓ ملکِ شام تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں ایک جگہ جہاں کیچڑ کی وجہ سے پھسلن ہوگئی تھی، حضرت عمر رضؓ اپنے اونٹ سے اترے اور دونوں موزے نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لئے اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر اس کیچڑ میں پیدل چل دیئے، یہ دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضؓ نے اتنا عرض کیا۔

آپ نے اے امیرالمومنین کفار کی نظر میں بہت بھاری حرکت کی کہ موزے نکال اونٹ کی نکیل پکڑ کر گارے میں گھس گئے۔

اس پر حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوعبیدہ رضؓ کے سینے پر زور سے تھپڑ مارا، اور فرمایا کہ اے ابوعبیدہ افسوس! کاش، تیرے سوا اور کوئی یہ بات کہتا، تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی وجہ سے عزت بخشی، اگر اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں عزت تلاش کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرکے رہے گا۔

الغرض حضرت عمر رضؓ کے جن واقعات کو بیان کرکے اسٹرائک

کرنے والے دلیل پکڑتے ہیں، ان سے عوام الناس کو تو دھوکہ ہوسکتا ہے، مگر جس شخص کی نظر قرآن و حدیث، فقہ و تاریخ پر ہوگی وہ انشاء اللہ تعالیٰ کبھی اس قسم کے مغالطہ میں نہیں آسکتا، وہ اس امر کو بخوبی سمجھے گا کہ تنقید و اعتراض کے مواقع کیا ہوتے ہیں اور اس کا طریق کیا ہوتا ہے، ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کے بس یہی واقعات دیکھ لئے، اور اس کے بالمقابل جو دوسرے واقعات بے محل تنقید پر حضرت عمرؓ کی زجر و توبیخ کے ہیں اس پر نظر نہ کی۔

نیز ہمارے اندر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا سا خلوص کہاں ہے، پھر ہم اپنے کو ان پر کس طرح قیاس کرسکتے ہیں، لہٰذا ہم ان کے آپس کے واقعات روک ٹوک اور مشاجرات (اختلافات) سے کسی طرح اپنے لئے دلیل بیجا نہیں پکڑ سکتے۔

بحمد اللہ تعالیٰ یہاں تک اسٹرائک کی شرعاً ممنوعیت اور اس کے مہلک اثرات و نتائج اچھی طرح بیان کردیئے گئے، عزیز طلبہ کے لئے اس کا موجب خسران و باعث محرومی فیوض علوم دینیہ ہونا خوب واضح ہوگیا، اور ایسے مواقع پر

حقیقت شناسی، معاملہ فہمی و عاقبت اندیشی کے رہنما اصول اور آخر میں اسٹرائک کے سلسلہ میں پیش کئے جانے والے چند دلائل کے جوابات بھی لکھ دیئے گئے تاکہ عزیز طلبہ ان کو پڑھ کر غور کریں، اور اس خلاف شریعت اور خلاف تہذیب چیز یعنی اسٹرائک سے اجتناب کلی رکھیں

طلبہ کیلئے چند سبق آموز واقعات

اب طلب علم کے سلسلہ میں اپنے اسلاف و اکابرین کے چند سبق آموز واقعات لکھے جاتے ہیں جس سے ان حضرات کی سچی طلب، اساتذہ کرام کا احترام ان کی خدمت، طلب علم کے سلسلہ میں سفر اور بھوک پیاس کی مشقت معلوم ہو، اور ان کے واقعات کو پڑھ کر ہمیں بھی ان اوصاف میں اپنے اسلافِ کرام کی اتباع کا جذبہ اور شوق پیدا ہو۔

(۱)= حضرت عبدالرحمٰن بن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال تک امام مالکؒ کی خدمت کی ہے، جس میں اٹھارہ سال آداب و اخلاق کی اصلاح اور ان کی تعلیم میں صرف ہوئے اور صرف دو سال تحصیل علم میں صرف ہوئے، اس سے

تحصیل اخلاق کی اولیت واہمیت کی کس درجہ ارفعیت و افضلیت معلوم ہوتی ہے۔

(۲)= امام شمس الائمہ حلوائیؒ کسی گاؤں میں تشریف لے گئے وہاں جتنے شاگرد تھے وہ استاذ کی خبر سُن کر زیارت کے لئے حاضر ہوئے، مگر قاضی ابوبکرؒ حاضر نہ ہو سکے، بعد میں جب ملاقات ہوئی تو استاذ نے دریافت کیا، تو انھوں نے والدہ کی ضروری خدمت بجالانے کا عذر کیا تو شیخ نے فرمایا کہ رزق میں وسعت ہوگی مگر علم سے نفع نہ ہوگا۔

تنبیہ فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ دونوں کے حق کو جمع کرنا چاہئے تھا، استاذ کی خدمت میں بھی حاضر ہونا چاہئے تھا خواہ پھر حاضر ہونے کے بعد عذر بیان کر کے اجازت لے کر چلے جاتے، اس میں والدہ اور استاذ دونوں کا حق ادا ہو جاتا

(۳)= حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کے سامنے ورق بھی آہستہ سے الٹتا تھا تاکہ اس کی آواز ان کو سنائی نہ دے۔

(۴)= امام ربیعؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی نظر کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرأت نہ ہوئی۔

(۵)= قاضی فخر الدین ارسابندیؒ مصر میں رئیس الائمہ تھے بادشاہِ وقت بھی ان کا احترام کرتا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ منصب صرف اپنے استاذ کی خدمت سے پایا ہے، علاوہ اور خدمت کے میں نے تیس سال تک برابر اپنے استاذ قاضی ابوزید دبوسیؒ کا کھانا پکایا ہے اور ادب کے خیال سے کبھی بھی اس میں سے کھاتا نہ تھا۔

(۶)= حضرت امام ابویوسفؒ کا نہایت سبق آموز واقعہ سبق کو ناغہ نہ کرنے کے متعلق ہے کہ آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہوگیا، تجہیز و تکفین کا سامان ہو رہا تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حلقہ درس کا وقت آگیا حضرت امام ابویوسفؒ جنازہ کو عزیزوں کے سپرد کر کے خود سبق میں حاضر ہو گئے۔

(۷)= خلیفہ ہارون رشید جس کی وسعت سلطنت کا یہ حال تھا کہ دریائے سندھ سے لے کر ہسپانیہ تک پھیلی ہوئی تھی، ان کے دو صاحبزادے فراؔ نحوی سے تعلیم پاتے تھے، ایک مرتبہ استاذ اپنی مسندِ درس سے اٹھے تو دونوں شہزادے جوتیاں سیدھی کرنے کو دوڑے مگر دونوں کا پہنچنے پر جھگڑا ہوگیا کہ کون جوتیاں اٹھا کر لائے، بالآخر ایک ایک جوتی اٹھالانے پر

فیصلہ ہوا تاکہ دونوں کو استاذ کی خدمت کا شرف حاصل ہو جائے، اس واقعہ کی جاسوس کے ذریعہ خلیفہ کو بھی اطلاع ہو گئی تو استاذ کو دربار میں بلایا گیا، اور ہارون رشید نے پوچھا کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ معزز اور مرتبہ والا کون ہے،

فرّا نے کہا کہ امیر المومنین سے زیادہ معزز کون ہو سکتا ہے ہارون رشید نے کہا نہیں بلکہ وہ جس کی جوتیاں سیدھی کرنے کے لئے خلیفہ کے لختِ جگر بھی آپس میں جھگڑا کریں، پھر بادشاہ نے لڑکوں کو سعادتمندی پر اور استاذ کو حسنِ تعلیم پر دس دس ہزار روپیہ انعام دیا۔

(۸) ابن المقری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ ابن فضالہ کی خاطر ستّر منزل کا سفر کیا تھا، اس نسخے کی ظاہری[1] حیثیت یہ ہے کہ اگر کسی نان بائی کو دیا جائے تو وہ اس کے عوض میں ایک روٹی بھی دینا گوارا نہ کرے گا، ایک منزل ادنیٰ درجہ میں بارہ میل قرار دی جائے تو ایک کتاب کے حاصل کرنے کے لئے آٹھ سَو چالیس میل کا سفر ہوا ہے۔

---

[1] یعنی کاغذ کی قیمت۔ ۱۲

(۹)== حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے استاذ حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کی خدمت میں پڑھتا تھا تو میرے تمام بدن پر خارش نکل آئی، میں دستانے پہن کر حضرت مولانا کی خدمت میں سبق پڑھنے کے لئے حاضر ہوتا، ان ایام میں ایک روز بھی سبق ناغہ نہیں کیا، ایک روز مجھ کو زیادہ خارش میں مبتلا دیکھ کر حضرت استاذی نے فرمایا کہ بقول شخصے تمہارا تو وہ حال ہوگیا ہے۔ ؎

یکتن وخیلِ آرزو دل بچہ مدعا دہم
تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(۱۰)== مرشدی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو تحصیل علم کا اس قدر شوق تھا کہ آپ نے بعض وہ کتابیں جن کے لئے مدرسہ میں وقت نہ تھا اساتذہ کرام سے اس طرح پڑھی ہیں کہ وہ حضرات وضو کررہے ہیں اور حضرتِ والا ان سے سبق پڑھ رہے ہیں۔

خاتمہ بحمداللہ تعالیٰ ہمارے ان عزیز طلبہ کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم سلیم اور طبع مستقیم عطا فرمائی ہے اور ان کی طبائع کجی اور عناد و آزادگی کے روگ سے پاک ہیں اسٹرائک کا شرعًا ناجائز ہونا اور باعث محرومیٔ علم وعمل ہونا بیان

کر دیا گیا، اس کے ساتھ ہی ایسے مواقع پر عزیز طلبہ کے لئے فہم وبصیرت، عاقبت اندیشی وموقع شناسی کے بنیادی رہنما اصول، اور اسٹرائک کے سلسلہ میں پیش کئے جانے والے دلائل کے جوابات، اسلاف کرام کی طالب علمی کے مفید واقعات لکھ دیئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس رسالے کو قبول فرمائے، اور ہمارے عزیز طلبہ کے لئے نافع فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ملفوظات

واقعہ: ایک مولوی صاحب کسی مدرسہ میں مدرس بنکر جارہے تھے، جاتے وقت حضرتِ والا دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ نصائح فرمانے کی درخواست کی۔ ان کی اس درخواست پر حضرت والا دامت برکاتہم نے مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے، جو کہ عموماً تمام مدرسین حضرات کیلئے ہی نہایت مفید اور ضروری ہیں، اس لئے ان کو اہتمام کے ساتھ یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ (ناشر۔ سید عبدالرحیم)

ارشاد فرمایا کہ ان چند باتوں کا ہمیشہ پورا پورا لحاظ رکھا جائے،

(۱) اس کا ہمیشہ استحضار رہے کہ آپ دین کی تعلیم واشاعت کے لئے جارہے ہیں، اس لئے ہمیشہ خادم دین ہی بنکر رہیں، آپ کی نیت خالصاً لوجہ اللہ دین کی تعلیم دینا ہو، اس کے سوا خدانخواستہ

محض دنیا طلبی یا جاہ طلبی مقصود نہ ہو۔

اور اس اخلاص نیت پر مداومت کے لئے ہر کام کے کرتے وقت یہ خیال لاتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں اس طرح انشاء اللہ طبیعت میں اخلاص اور تواضع آجائیگی۔

(۲) یہ بھی ہمیشہ دھیان رہے کہ مدرس مدرسہ کی پوری ہیئت اجتماعیہ کے لئے ایک اہم ترین جزء ہے، اس لئے مدرس کا ہر کام وہر کلام اپنی اسی حیثیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہونا چاہیئے، اور اپنی اس حیثیت کے اعتبار سے مدرس کو انتظام مدرسہ میں مہتمم یا ناظم کے لئے مددگار ومعاون ہونا چاہیئے نہ کہ فریق مخالف چونکہ جزء تو اپنے کل کا معاون ہوتا ہے نہ کہ مخالف لہٰذا مدرس کو ہر اس طریق سے اجتناب کرنا چاہیئے جس کو ذمہ دار مہتمم یا ناظم اپنے انتظام کے خلاف تصور کریں۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی جو جامع علوم وفنون تھے، پاکستان کے سفر کے دوران ان سے ملاقات ہوئی اس طرح کہ اتفاق سے لاہور جس ریل سے وہ جارہے تھے اسی ریل سے ہم بھی جارہے تھے اسٹیشن پر ملاقات ہوگئی، اسٹیشن سے ایک ہی سواری میں ہم دونوں جامعہ

اشرفیہ جارہے تھے تو راستہ میں انھوں نے فرمایا کہ
"مولوی صاحب ہم تو پوری زندگی کے اتنے تجربات کے بعد بس اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مدرس کو مدرسہ کے انتظام میں کسی قسم کا دخل نہ دینا چاہیئے، مدرسہ کا انتظام کرنا مہتم کا کام ہے وہ جانے اس کا کام جانے، چونکہ انتظام مدرسہ میں دخل دینے سے تخریب ہی ہوتی ہے"

غور فرمایا آپ نے یہ وہ شخص فرمارہے ہیں جو فن حدیث فقہ، ادب و تفسیر کے امام تھے، دارالعلوم کے درجہ علیا کے اساتذہ میں سے تھے، اوران کو کچھ اس قسم کی چیزیں پیش بھی آتی رہی ہیں، چنانچہ دارالعلوم سے وہ بھی ایک زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے اور پھر بعد میں دارالعلوم تشریف لے آئے تھے پھر تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے تھے۔ ایسی تجربہ کار اور مسلم ہستی کا بڑے تجربات کے بعد یہ قول ہے اسمیں مدرسین حضرات کے لئے بڑے سبق کی بات ہے، چونکہ وہ پوری زندگی کے تجربات کے بعد فرمارہے ہیں، مدرس کے انتظام مدرسہ میں دخل دینے سے تخریب ہوتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ تخریب سے

بچنا چاہئے۔

(۳) یہ بھی خیال رکھیں کہ مدرس نظام تعلیم و تدریس میں مہتمم یا ناظم کے ماتحت ہوتا ہے، پس اس کے مزاج میں ماتحتی اور تابعداری نمایاں ہونا لازم ہے، اس کے برخلاف مہتمم کے ساتھ حاکمیت کا طور طریق برتنا مدرسی کے منصب کے بالکل خلاف ہے اور حدودِ مدرسی سے صریح تجاوز ہے، اور اپنے حدود سے تجاوز کرنا ہی تمام شرور و فتن کا منبع اور نزاع و فساد کا باعث ہے۔

(۴) مدرس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ درجات تعلیم میں سے جو درجہ مثلاً حفظ و ناظرہ یا جو کتاب درس کے لئے اس کے سپرد کی جائے پوری دیانت، اخلاص فکر اور محنت کے اہتمام کے ساتھ اس کے حقوق کو انجام دے۔

اور درمیان سال میں اگر درجہ یا کتاب تبدیل ہو جائے تو اس پر کسی قسم کی ناگواری نہ ہو، اور نہ ہی کسی قسم کی مزاحمت اور منازعت ہو، بلکہ بخوشی قبول کر کے خدمت میں مشغول ہو۔

چنانچہ حضرت خالد بن الولیدؓ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف من سیوف اللہ کا لقب عنایت فرمایا تھا اور تمام

اسلامی فوجوں کے سپہ سالار جنگ تھے ان کو حضرت عمر فاروق رضؓ نے ملک شام میں عین میدان جہاد میں معزول فرما دیا اور ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو امیر لشکر مقرر فرما دیا تو حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نہایت اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ ان کی ماتحتی قبول فرمائی اور اب ان کی ماتحتی میں ایک سپاہی کی حیثیت سے جہاد فرماتے رہے، اس تبدیلی پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا چونکہ ان کا مقصود رضاء الٰہی منشأ خدمت دین تھا، اور وہ ایک سپاہی ہونے کی صورت میں بھی ان کو حاصل تھا۔

(۵) مدرسہ کے انتظامی امور میں مثلاً طلبہ کے داخلہ خارجہ قیام وطعام، رخصت وعدم رخصت اور دیگر اصول وضوابط انتظام مدرسہ کی بابت طلبہ یا عوام یا خصوصی معاونین مدرسہ یا باہم مدرسین میں کوئی اظہار رائے نہ ہو، خصوصاً خلاف طبع پیش آنے پر تنقید وتبصرہ، طعن وتشنیع، اشتعال انگیزی وگروہ بندی کی باتیں ہرگز ہرگز نہ ہوں چونکہ ایسا کرنا خلاف شرع ہے اور مدرسہ کی تخریب وبربادی کا ذریعہ ہے۔

(۶) البتہ اگر کوئی بات مفید خیال میں آئے تو تنہائی میں

مہتمم کو اس کا مشورہ دیدیا جائے اس کا انتظار نہ کیا جائے کہ آپ سے مشورہ طلب کیا جائے تبھی آپ مشورہ دیں، اور مشورہ دے کر اس کے موافق عمل ہونے پر اصرار نہ ہو، اور مشورہ کے خلاف ہونے پر انقباض وتکدر یا سوءظنی اور تنفر نہ ہو کہ آئندہ مشورہ دینا ہی موقوف کر دیا جائے چونکہ اس کا منشاء جاہ وکبر یا قلت اعتنار بالدین ہوگا، اور یہ اخلاص کے خلاف ہے۔

(۷) ساتویں بات یہ ہے اور یہ بہت ہی زیادہ خیال رکھنے کی ہے کہ انتظامی امور ذوقی اور اجتہادی ہوتے ہیں، بالخصوص ان میں زجر وتنبیہہ کی چیزیں حدودِ شرعیہ نہیں ہوتی جن میں سب کے ساتھ برابری کا حکم ہے بلکہ یہ تمام چیزیں محض تعزیری ہوتی ہیں جو ذمہ دار اور امیر کی رائے پر موقوف ہوتی ہیں شرعاً وہ اس میں مختار ہوتا ہے کہ جس کے حال کے مطابق جو سزا مناسب سمجھے تجویز کرے۔

لہٰذا ان تعزیری امور میں برابری کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوتا اور عدم تساوی پر صاحب انتظام کو مطعون کرنا بھی محض ناحق ہوتا ہے، اور اس پر اعتماد اور اس کے

ساتھ حسن ظن رکھنا واجب اور لازم ہوتا ہے، شرور و فتن سے اسی میں حفاظت ہے، کیا نہیں معلوم کہ حق تعالیٰ کے یہاں یہ سوال نہ ہوگا کہ فلاں شخص سے تم کو حسن ظن کیوں تھا لیکن یہ سوال ہوگا کہ فلاں شخص سے تم کو بدگمانی کیوں تھی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

ترجمہ:۔ اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے دین میں باہم تفریق کرلی اور نفسانیت سے باہم اختلاف کرلیا ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد، اور ان لوگوں کے لئے سزا عظیم ہوگی۔

آیت شریفہ میں اس تفریق و اختلاف کی مذمت کی گئی ہے جو یا تو اصول دین مثلاً توحید و رسالت و قیامت میں ہو، چونکہ اصول تمام واضح اور صریح ہوتے ہیں یا محض نفسانیت کی وجہ ان فروع میں اختلاف کیا جائے جہاں حکم بالکل واضح طور پر موجود ہے جیسا کہ اہل ہوا و اہل زیغ آزاد خیال تجدد پسند لوگوں نے اہل حق کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اگر صدق و اخلاص ہو اور نفسانیت

واتباع ہوا نہ ہو تو احکام خداوندی کے صراحۃً معلوم ہو جانے کے بعد ہرگز ہرگز کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

البتہ جہاں احکام فرعیہ میں حکم شرعی صراحۃً موجود نہ ہویا مختلف قسم کے دلائل شرعیہ میں بظاہر تعارض ہو، اس قسم کے احکام فرعیہ اجتہادیہ میں ان حضرات کا اختلاف جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص تفقہ فی الدین اور ورع وتقویٰ کے اعتبار سے درجہ اجتہاد عطا فرمایا ہے اس آیت شریفہ کے تحت داخل نہیں ہے، چونکہ ان احکام فرعیہ میں فقہاء کرام کے اختلاف کی مشروعیت پر تمام امت کا اجماع ہے اور احادیث شریفہ سے بھی ثابت ہے،

چنانچہ شیخین نے عمرو بن عاص رضؓ سے مرفوعًا روایت کیا ہے کہ جب کوئی حاکم حکم شرعی اپنے اجتہاد سے کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب حکم اجتہاد سے کرے اور وہ غلط ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے، نیز روح المعانی میں بیہقی سے محمد قاسم کا قول اور مدخل سے عمر بن عبدالعزیز کا قول اس مضمون کا نقل کیا ہے کہ صحابہ

کا اختلاف لوگوں کے لئے موجب رحمت ورخصت ہوگیا۔

پس حاصل اس حکم شرعی کا یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم ان اہل کفر کے مشابہ مت بننا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے کھلے ہوئے احکام آجانے کے بعد بھی تفریق کی اور راہ حق کو چھوڑ کر گمراہ ہوگئے، اور نہ کھلے ہوئے منصوص احکام فرعیہ میں اختلاف کر کے اہل بدعت واہل ہوا کی مشابہت کرنا۔

پس حضرات مدرسین بھی اس کو مدنظر رکھیں کہ وہ امور جو انتظام مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ اکثر اجتہادی ہوتے ہیں اور وہ مہتمم کی رائے پر موقوف ہوتے ہیں، ان میں صاحبِ انتظام کو اختیار ہوتا ہے، لہٰذا امور اختیاری میں اختلاف نہ کیا جائے۔

فائدہ:۔ لیکن اگر مہتمم کی طرف سے پیش آمدہ امور کسی مدرس کے لئے ناقابل تحمل ہوں تو وہ خاموشی کے ساتھ مدرسین یا طلبہ یا عوام میں کسی اظہار ناراضگی کے بغیر خوش معاملگی، حسن معاشرت، خوبصورتی وسلامتی کے ساتھ مستعفی ہوکر علیحدگی اختیار کرلیں، کسی کے ازخود دریافت کرنے اور جذبہ حمایت دکھانے پر بھی کوئی شکایت وحکایت بالکل نہ

کریں، ایسے ہی مواقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے فصبر جمیلؑ ط۔ ترجمہ:۔ سو صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا۔ (بیان القرآن)۔

یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے، یہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت فرمایا جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر بھائیوں نے جھوٹ بول دیا کہ ان کو بھیڑیے نے کھالیا ہے۔

یہ تمام امور متعدیہ تو نظراً الی الاہتمام عرض کئے گئے، اب امور لازمہ یعنی اپنی ذات سے متعلق سنئے کہ مدرس کو اپنی ذات سے کس طرح رہنا چاہئے

(۱) کسی کو رازدار نہ بنائیں۔

(۲) بے تکلفی اور دوستی کسی سے نہ ہو خاص کر نوجوانوں سے بہت احتیاط رکھیں۔

(۳) گفتگو اور بول چال میں شیرینی اور سنجیدگی رکھیں کسی بھی شخص پر حاضراً یا غائباً طعن نہ کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے وَیۡلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ۔ ترجمہ:۔ بڑی خرابی ہے

ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو، اور رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو۔ (بیان القرآن)

(۴) کسی شخص کے متعلق بھی بلا تحقیق کوئی بات نہ کہیں نہ ہر شخص سے سنی سنائی نقل کریں، اس سے وقار و اعتبار چلا جاتا ہے اور مختلف قسم کے معاصی شرور و فتن باہمی بغض و عناد، شر و فساد، تفریق و انتشار کے دروازے کھل جاتے ہیں، چنانچہ ایسے ہی مواقع کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔

دیکھئے اس آیت شریفہ میں بلا تحقیق کسی بات پر عمل کرنے سے روکا گیا ہے، لہٰذا جو دیندار نیک آدمی صاحب خوف و خشیت ہو گا وہ ہرگز ہرگز اس کے خلاف نہیں کرے گا، بلکہ وہ تو دوسروں کی ایذا یا تفریق باہمی کے احتمال بعید سے بھی پورا پورا اجتناب رکھے گا۔

یہاں پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آیت شریفہ میں تو فاسق کی خبر پر بلا تحقیق عمل کرنے سے روکا گیا ہے اور جو شخص ہمیں کسی کے بارے میں خبر دے رہا ہے وہ ثقہ اور معتبر آدمی ہے فاسق نہیں ہے، لہٰذا اس کی خبر کو سن کر تو عمل کر لینا چاہئے، چونکہ آیت شریفہ میں فاسق کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ افادۂ مبالغہ فی الحکم کے لئے ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس کا قصہ نزول اس طرح ہوا، اور پھر حکم عام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، اور ولید میں اور ان میں زمانۂ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی، ولید کو وہاں جاتے ہوئے اندیشہ ہوا، ان لوگوں نے سن کر استقبال کیا ولید کو گمان ہوا کہ یہ لوگ بارادۂ قتل آئے ہیں، واپس جا کر اپنے خیال کے موافق کہدیا کہ وہ تو مخالف اسلام ہو گئے آپؐ نے حضرت خالدؓ کو تحقیق حال کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ خوب تحقیق کرنا اور جلدی مت کرنا۔

چنانچہ انھوں نے وہاں بجز اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا آکر آپ کا اطمینان کردیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ اے ایمان والو جس طرح ولید بن عقبہ کی خبر پر باوجودیکہ ولید محکوم علیہ بالفسق نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمل کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ اس کی تحقیق فرمائی جس سے ایک حکم شرعی ثابت ہوگیا کہ بدون تحقیق کے ایسی خبر پر عمل نہ کرنا چاہئے، اور اوپر تم کو معلوم ہوچکا کہ حکم شرعی سے سبقت کرنا منہی عنہ ہے پس لامحالہ اس حکم شرعی سے بھی سبقت منہی عنہ ہوگی اور جب غیر محکوم علیہ بالفسق میں یہ حکم ہے تو فاسق کے باب میں تو بدرجہ اولیٰ، اس لئے ہم تم کو اہتمام کے لئے مکرر حکم دیتے ہیں الخ بہرحال کسی بھی خبر پر بلا تحقیق عمل کرنا شرعاً ممنوع ہے

(۵) یہ دو فریضے مدرس کے لئے نہایت اہم ہیں اوّل حل کتاب حسن اسلوب کے ساتھ، دوسرے پابندی اوقات یعنی شروع سے آخر وقت تک اوقات مدرسہ کی پابندی ہو، چنانچہ اوقات مدرسہ میں درسگاہ میں یا درسگاہ سے باہر کسی کے ساتھ باتوں میں مشغولی نہ اختیار کریں بالخصوص کسی دوسرے مدرس کے ساتھ بھی باتیں نہ کریں کہ اس میں دونوں کا نقصان

ہوگا الا بضرورتِ خاص چار پانچ منٹ کے لئے کوئی بات ہوجائے۔

(۶) درس سے خالی اوقات کو مطالعہ کتب میں مشغول رکھیں، کتب درسیہ کے مطالعہ کے علاوہ کوئی وقت خواہ تھوڑا ہی ہو ہمیشہ اخلاقی کتابوں کے لئے بھی رکھیں۔ مثلاً تبلیغ دین، تعلیم الدین، حیاۃ المسلمین، آداب المعاشرت، شوقِ وطن، التکشف، ریاض الصالحین وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہیں۔

(۷) درس کے علاوہ اپنے پاس طلبہ کو بالخصوص امرد کو تنہائی میں ہرگز نہ آنے دیں۔

(۸) اگر بچوں کی قرآن پاک کی تعلیم سپرد ہو تو صحتِ مخارج کا پورا پورا اہتمام رکھیں مگر شفقت کے ساتھ مار پیٹ سختی یا گالی گلوچ ہرگز نہ ہو۔

(۹) کسی طالب علم سے کبھی بھی کسی قسم کی کوئی فرمائش نہ کی جائے کہ طمع وحرص خادم دین کے لئے بڑا عیب ہے۔

(۱۰) حتی الامکان طلبہ سے اپنا ذاتی کام لینے سے احتیاط رکھی جائے مثلاً اپنی جسمانی خدمت لینا، بدن دبوانا،

پاؤں دبوانا، سر میں تیل لگوانا ان سب امور سے پرہیز کیا جائے بالخصوص ایسے طلبہ سے جو معرضِ اشتباہ ہو سکتے ہیں بہت ہی زیادہ پرہیز کیا جائے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اتقوا مواضع التھم یعنی تہمت کے موقعوں سے ہمیشہ بچتے رہو۔

فہرست خلفاء مجازین بیعت

ھندوستان

(۱) جناب مفتی اعظم مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی مرحوم شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد۔

(۲) جناب مولانا نادر حسن صاحب مرحوم موضع بالو ضلع سہارنپور

(۳) جناب قاضی القضاۃ وجدی الحسینی صاحب بھوپال

(۴) جناب سید حسین صاحب ریٹائرڈ ممبر بورڈ آف ریوینیو مقیم حال دودھ پور علی گڑھ۔

(۵) جسٹس انوار احمد صاحب ریٹائرڈ ہائی کورٹ پٹنہ

(۶) جناب مولانا قاری عبدالرحیم صاحب نابینا میواتی مدرس مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد۔

(۷) جناب مولوی محمد قمر صاحب محلہ اٹالہ الہ آباد ۳۔

(۸) جناب مولانا عبدالرحیم صاحب مدراسی۔

(۹) جناب ماسٹر محمد عیسیٰ خاں صاحب موضع وڈا کھا نجمشید پور ضلع اعظم گڈھ۔

پاکستان

(۱) جناب الحاج عبدالحئ صاحب مرحوم
(۲) جناب حاجی عزیزالدین صاحب مرحوم
(۳) جناب انعام الحق صاحب مرحوم
(۴) جناب مولانا تنویر احمد صاحب حیدرآباد سندھ
(۵) جناب الحاج محمد فاروق صاحب سکھّر
(۶) جناب مولانا محمد وجیہہ صاحب دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار حیدرآباد سندھ۔
(۷) جناب عبدالرحیم صاحب بلکی کراچی
(۸) جناب حکیم عزیزالدین صاحب مرحوم کراچی
(۹) جناب ڈاکٹر عبدالغفار صاحب سکھّر
(۱۰) جناب میجر ایاز صاحب کوئٹہ بلوچستان
(۱۱) جناب الحاج عقیل الدین صاحب لاہور
(۱۲) جناب حاجی بشیر احمد صاحب لیّا مظفر گڑھ
(۱۳) جناب حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

جنوبی افریقہ

(۱) جناب مولانا محمد یعقوب صاحب کتھرادا ویرلم
(۲) جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کتھرادا ویرلم

(۳) جناب مولانا عبدالحق صاحب ڈیسائی پورٹ الزبتھ المعروف (احمد صادق)
(۴) جناب مولانا احمد صاحب مہتر ڈربن
(۵) جناب مولانا محمد عمر جی صاحب ڈربن ۔

مجازین صحبت

(۱) جناب حافظ جمیل احمد صاحب مرحوم چرتھاول ضلع مظفر نگر
(۲) جناب خلیل احمد صاحب نواب شاہ پاکستان
(۳) جناب محمد اکرام الحق صاحب راولپنڈی پاکستان
(۴) جناب مولوی ہاشم صاحب راوت (یوکے)
(۵) جناب الحاج یوسف صاحب کتھرادا ویرلم افریقہ
(۶) جناب ڈاکٹر عبدالقادر صاحب ہنسا ڈربن افریقہ
(۷) جناب الحاج محمد نبا صاحب ری یونین (فرانس)